نوشین فیاض

سرِ تخلیۂ جاں کوئی مصرعہ

تیز چبھتی دھوپ ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ جاتی دھوپ کا رنگ اوڑھے درختوں کے پتے سنہری ہو رہے تھے۔ امرود اور انجیر کے درخت برسوں کی ایستادگی کے باوجود پورے قد سے کھڑے تھے۔ ان دونوں درختوں کے ساتھ بندھے جھولے میں دراز بوڑھا وجود آنکھیں بند کیے ماضی کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہا تھا۔

سفید رنگ کا مرکزی دروازہ رنگ روپ کھو کر گویا جوانی بیت جانے کا عندیہ دے رہا تھا۔ یہ وہ دروازہ تھا جو بے وقت دستک پر، شاذ ہی کھلتا تھا مگر آج لمس کی چاہ سے بے نیاز چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ کبھی کوئی چڑیا بھولے بھٹکے کسی درخت پر لمحہ بھر کے لیے رکتی اور پھر ویرانی سے گھبرا کر منظر سے اُڑ جاتی۔

شام کچھ ساعت کی دوری پر تھی۔ مرکزی دروازے سے آتی روشنی میں ایک دھبہ نمودار ہوا۔ پیروں تلے خشک پتے چیخ اٹھے تو بوڑھے نے چونک کر گردن اٹھائی اور دروازے کی سمت دیکھا۔

"کون ہے؟"

"السلام علیکم!" وہ اندر داخل ہوئی۔

"وعلیکم سلام۔" جواب حسب توقع کھردرا تھا مگر اتنا بھی نہیں کہ سماعتیں زخمی ہو جائیں۔ وہ مسکرائی۔

"کیا کام ہے؟"

"مجھے ایک کمرہ کرائے پر چاہیے۔"

بوڑھے نے اسی حالت میں لیٹے لیٹے اسے گھورا۔ "تو یہاں کیا کرنے آئی ہو؟"

"آپ کے اس بڑے سے گھر میں ایک کمرہ کرائے پر مل جائے تو مجھے بہت سہولت رہے گی۔"

"میں نے کہیں لکھ کر لگایا ہوا ہے، کمرا کرائے کے لیے خالی ہے یا میں نے کسی سے کہا کہ مجھے کرائے دار چاہیے؟" عمر کے اس پہر بھی اس کی آواز میں کئی رتوں کا دم خم سانسیں لے رہا تھا۔

وہ خفیف سا مسکرا کر دھانی رنگ اڑی، کرسی پر اپنا ہینڈ بیگ لٹکا کر بیٹھ گئی۔ سفری بیگ اس نے قدموں کے پاس رکھ لیا۔ سفر نے اسے بے حد تھکا دیا تھا۔ بوڑھے نے اس کی اس حرکت کو دیکھا ضرور مگر نظر چرا کر انجان بن گیا۔ لڑکی نے یہ بھی دیکھ لیا تھا۔ اس کے لب آہستگی سے پھیل کر سکڑ گئے۔

"صرف ایک ماہ کے لیے چھت کی ضرورت ہے۔ میں اکیلی ہوں، آپ کے معمولات میں بالکل مخل نہیں ہوں گی۔"

"تو تمہارے گھر بار والے کہاں ہیں؟"

"ماں باپ رہے نہیں اور میں نے دونوں شادی شدہ اور اپنے اپنے گھروں میں آباد ہیں۔ باقی اس دور پر آشوب میں دور پار کا رشتہ دار ضرورت میں کب رشتہ دار ہوتا ہے؟"

"تو جتنی تمہاری عمر ہے، تمہاری شادی ہو جانی چاہیے تھی۔"

"میری شادی ہو چکی ہے۔ ہم دونوں سرکاری نوکری کرتے ہیں۔ میرا تبادلہ اس شہر میں ہو گیا ہے۔ اب میرے شوہر بھی تبادلے کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ امید ہے ڈیڑھ دو ماہ تک کام بن جائے گا۔" اس نے جھوٹ کی آمیزش کے ساتھ سچ کہا تھا۔ بات مکمل کر کے اس نے نظر گھمائی۔ در و دیوار وہی تھے۔ باورچی خانے کی کھڑکی کی جالی ابھی تک

مکمل ناول

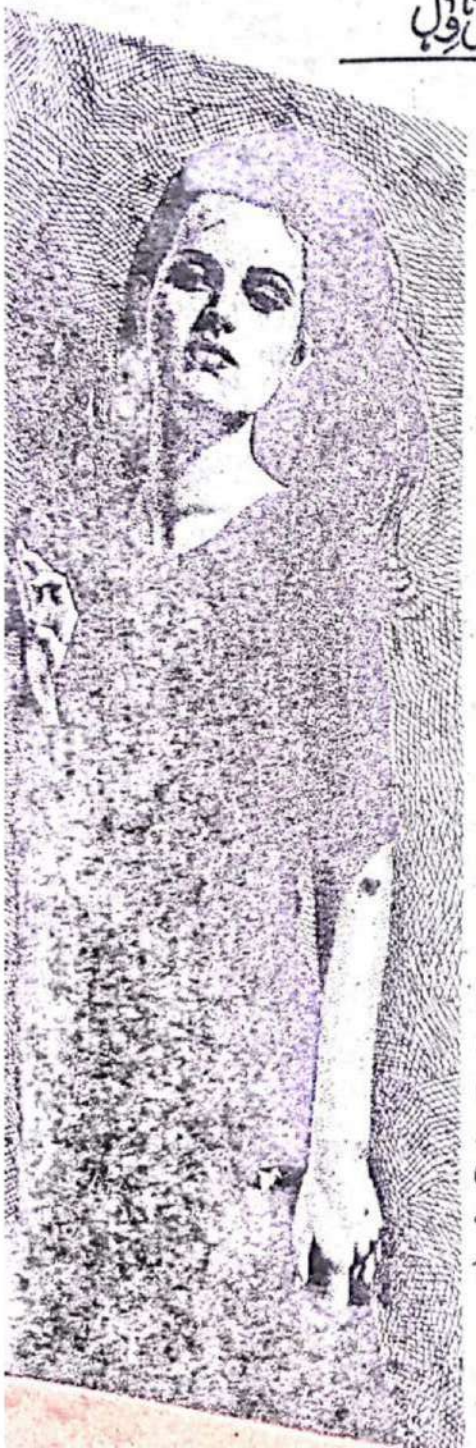

ٹوٹی ہوئی تھی۔ قطار میں بنے کمروں کے آگے پائیدان بھی سال خوردہ اور شکن سے چور تھے۔ دروازوں کے درمیان دیواروں پر گیس لیمپ بھی وہی تھے۔ اس نے نظر جھکائی۔

محبتوں کا تعلق ظاہر سے واقعی نہیں ہوتا۔ اسے اس بات کا یقین ہو گیا تھا۔

"مگر یہاں کوئی کمرہ نہیں ہے اور میں کسی کو اجازت بھی نہیں دے سکتا کہ وہ میرے گھر میں کمروں کے سامان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتا پھرے۔"

"میں کسی بھی قسم کے نقصان کی ذمہ داری قبول کرتی ہوں۔ گارنٹی کے لیے جو کہیں خشکی ادا کرنے کو تیار ہوں۔" وہ اسے یہاں پر رہائش کی اجازت دینے والا تھا اس بات کو جاننے کے لیے اسے کسی راکٹ سائنس کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لیے اس کی جھجک ختم کرنے کے لیے اس نے تیزی سے جواب دیا تھا۔

بے تحاشا سفید رنگت والے چہرے کی جھریوں میں ایک لمحے کے لیے کمی ہوئی تھی۔ چہرہ پر سوچ انداز میں کھنچ سا گیا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے مگر۔"

"میں یہ باورچی خانے کے ساتھ والا کمرہ لے لیتی ہوں۔ مجھے آسانی رہے گی۔" اپنا بیگ اٹھا کر اس کی بات پوری سنے بغیر وہ اٹھ کر اس کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"تو ثابت ہوا، کچھ خواب پورے کرنے کی ذمہ داری وقت کی ہوتی ہے۔ پھر چاہے وہ ذہن کے طاق پر دھرے زنگ آلود ہو جائیں یا وقت کی دھند کے اس پار کھو جائیں۔" اس نے سوچا۔

☆☆☆

کمرے کی حالت بھی باہر سے کچھ مختلف نہیں تھی۔ ہر شے دھول مٹی میں اٹی پڑی تھی اس کے باوجود ایک قرینے سے رکھی ہوئی تھی۔ کمرے میں پڑے سنگل بیڈ کے ساتھ رکھی چھوٹی میز پر اپنا بیگ رکھ کر کچھ دیر وہ وہیں کھڑی دیکھتی رہی اور پھر گہرا سانس بھر کر باہر نکل گئی۔

"کوئی کپڑا ملے گا، میں تھوڑی جھاڑ پونچھ کر لوں؟"

"میرے پاس کچھ نہیں ہے لڑکی! یہاں رہنا ہے تو اپنے کام خود دیکھو، بار بار مجھے تنگ نہیں کرنا۔"

درشتی سے کہہ کر انہوں نے منہ پھیر لیا تو ایک نرم مسکراہٹ چہرے پر لیے وہ واپس کمرے میں چلی گئی۔ یہ کیا کم تھا کہ اسے یہاں رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ واپس آ کر اس نے اپنے بیگ سے قدرے زیادہ استعمال شدہ، دوپٹہ نکالا اور جھاڑ پونچھ کر کے کمرہ اٹھنے بیٹھنے کے قابل کر لیا۔ ایک تو اتنا لمبا سفر اور پھر سفر میں ایک اور سفر اور پھر suffer سے وہ بے حد تھک گئی تھی۔

بڑی شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ کہیں سے ایک کپ چائے مل جائے۔ دل کی چاہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے دروازہ بند کیا اور بستر پر لیٹ گئی۔ وہ کبھی بھی ایسی گہری نیند نہیں سوئی تھی مگر جتنا وہ تھک چکی تھی، اسے سو کر ہوش نہیں رہا۔ اب بھی دروازے پر دستک نہ ہوتی تو وہ جانے کب تک سوتی رہتی۔

"یہ لو کچھ کھا لو اور برتن دھو کر سونا۔ میں سونے جا رہا ہوں، بلا ضرورت باہر کا دروازہ کھولنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے فرماں برداری سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور ہاں آئندہ اپنے کھانے پینے کا انتظام خود کرنا ہوگا۔" وہ جاتے جاتے پلٹے تھے۔ "میرا مطلب ہے کچن میں سب کچھ موجود ہے اور اگر کچھ چاہیے ہو تو بتا دینا، میں منگوا دوں گا۔ بس اپنا پکا لینا خود ہی۔ میں مہمان نوازیاں نہیں کر سکتا۔"

"جی میں کر لوں گی۔ تکلیف کے لیے معذرت خواہ ہوں۔"

اس کی پوری بات سنے بغیر وہ دروازہ اس کے منہ پر بند کر کے باہر چلے گئے تھے۔

اس نے ٹرے کو اٹھایا۔ اشتہا انگیز پلاؤ جانے کہاں سے آیا تھا۔ کھانا کھا کر برتن دھونے وہ باہر میں چلی گئی۔

جو آنے والا ہے وہ غیر یقینی ہے مگر جو جا چکا ہے وہ امر ہے۔ ماضی کبھی نہیں مرتا، مگر وہ ایسے زندہ بھی نہیں رہتا جیسے وہاں تھا۔ پتھر کی سرمئی شیلف کے ساتھ ہی عہدِ رفتہ کی یاد تازہ کرتا برتنوں کا اسٹینڈ تھا۔ آج جب جدید باورچی خانوں سے اسٹینڈ نکل چکے تھے اور کیبنٹ آ گئے تھے، وہاں وہ سال خوردہ اسٹینڈ موجود تھا۔ دیوار پر ماچس رکھنے والا ریک بھی وہی تھا، نیلا بھالو۔ اور اسی کچن میں ایک تھپڑ کی بازگشت بھی زندہ تھی۔ اس نے بے ساختہ ایک ہاتھ اپنے بائیں گال پر رکھا تھا۔ آج بھی اس کا گال تپ رہا تھا۔ آج بھی ابھی وہ روئی تھی۔

آنسو صاف کر کے برتن احتیاط سے رکھ کر وہ واپس اسی کمرے میں آ گئی۔ زندگی کی پہیلی اس نے کبھی بوجھنے کی نہ کوشش کی تھی، نہ خواہش مگر اب یہ ریشم ایسا الجھا تھا کہ سلجھانے کی سعی میں وہ خود الجھ گئی تھی۔

وقتی طور پر وہ یہاں آ گئی تھی۔ تنہائی سے فرار اگرچہ یہاں بھی ممکن نہیں تھا مگر توجہ بٹ گئی تھی۔ پھر بھی وہ کب تک یہاں رہ سکتی تھی؟ وہ اکیلی کیسے زندگی کی بھول بھلیوں سے نکل کر منزل پر پہنچ سکتی تھی؟ وہ تو اپنے تئیں منزل پا چکی تھی مگر زندگی ہمیشہ وہ چال چلتی ہے جو وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی۔

اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ یہ اس کا خوف ہی تو تھا جو اس نے تنہا رہنے پر اس سنکی بوڑھے کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی تھی۔

رات کا نرم اندھیرا پھیل چکا تھا۔ رنگ اڑی کھڑکی کے پٹ بند کر کے وہ واپس پلٹ گئی۔ اس نے اپنے سفری بیگ میں سے ایک کتاب نکالی اور بستر پر لیٹ گئی۔ نظر کتاب کے صفحوں پر سفر کرنے لگی اور اس کا ذہن ماضی کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے لگا۔ ایک چہرے پر ذہن مرتکز ہوا اور آنکھوں سے گرم گرم آنسو بہنے لگے۔

☆☆☆

ساری شام سو کر گزارنے کے بعد ساری رات اس نے کتاب ہاتھ میں پکڑ کر نم آنکھوں کے ساتھ گزاری تھی۔ فجر سے ذرا پہلے نیند آنکھوں میں اتری تو پھر صبح پورا اجالا پھیلنے پر ہی آنکھ کھلی۔

بستر پر چت لیٹے کچھ دیر تو اسے یاد ہی نہیں آیا وہ کہاں ہے اور کیوں ہے۔ رفتہ رفتہ یادداشت بحال ہوئی تو گہرا سانس بھر کر گھڑی دیکھتی وہ اٹھ بیٹھی۔

صبح کے ساڑھے سات کا وقت تھا۔ بالوں سے پونی نکال کر دوبارہ چڑھاتے اس نے جوتوں میں پیر پھنسائے اور دوپٹہ پھیلا کر سر پر ڈالا۔ دروازہ کھول کر باہر نکلی تو منظر کل سے مختلف نہیں تھا۔ وہی میلا اجالا اور بکھرا بکھرا منظر۔ اس منظر کے عقب سے ایک منظر اور نکلا تھا۔

دھلی نکھری روش اور درختوں کی بانہوں پر ان گنت سبز پتے، گلاب پر پھول ہی پھول اور ان کی خوشبو سے مہکتا آنگن۔ باورچی خانے سے اٹھتی چائے کی خوشبو ہمیشہ اس کے حواس گم کر دیتی تھی۔ سر جھٹک کر وہ سوچوں کے گرداب سے نکلی اور نپے تلے قدم اٹھاتی باہر آ گئی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام۔ ناشتہ بنا لو اپنا یا رات کے چاول پڑے ہیں، وہی گرم کر کے کھا لو۔"

"ٹھیک ہے۔ اور آپ کے لیے کیا لاؤں؟"

ایک گہری نظر اس کے چہرے پر ڈال کر انہوں نے منہ پھیر لیا۔

"میں صبح صبح ناشتہ نہیں کرتا۔"

"جی ٹھیک۔" وہ باورچی خانے کی طرف مڑی۔

"سنو لڑکی.. نام کیا ہے تمہارا؟"

"قصہ۔" اس کے منہ سے بے اختیار پھسلا تھا۔ پھر اس نے واضح طور پر اس جھریوں بھرے چہرے پر دراڑیں پڑتی دیکھی تھیں۔ رخ بدل کر وہ آہستہ روی سے باورچی خانے میں چلی گئی۔ اس نے فریج کھولا مگر اس میں کوئی پھل نہیں تھا۔ ناشتے کی فی الحال کوئی طلب نہیں ہو رہی تھی، اس لیے دو کپ چائے بنا کر اس نے ٹرے میں رکھے اور باہر آ گئی۔

"انکل! چائے لے لیں۔" ایک کپ ان کے سامنے رکھتے اس نے دانستہ ان کی طرف دیکھنے سے احتراز برتا۔ جانے انکل کہنے پر ان کا ردعمل کیا ہوتا لیکن انہوں نے خاموشی سے چائے کا کپ اٹھا لیا۔

الائچی کی بھینی خوشبو کے ساتھ، تیز گرم چائے کا پہلا گھونٹ ہی انہیں جتلا گیا کہ کچھ بھی اتفاق نہیں ہے۔ کوئی بھی پہلی بار بنا بتائے ان کی پسند کی چائے کیسے بنا سکتا تھا؟ وہ بھی اس قدر پرفیکٹ مٹھاس اور رنگت والی۔

"چائے ٹھیک نہیں بنی؟" اس کے لہجے میں ایک خوف، ایک اشتیاق تھا۔ ان کی خاموشی اسے واہمے میں مبتلا کر گئی تھی۔

"ہوں۔" کہہ کر وہ چائے پینے لگے اور صبا کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ انہوں نے اس کے ہاتھ سے چائے لی تھی۔

دوپہر تک اس نے تمام کمروں کی صاف صفائی کر لی تھی۔ گرد و غبار صاف ہونے کے باوجود ہر شے بتا رہی تھی کہ ایک عمر، ایک عرصہ بیت چکا ہے۔ بظاہر انکل خاموشی سے لیٹے ہوئے تھے مگر وہ بند آنکھوں سے بھی، اس کی قدموں کی چاپ سن کر اندازہ کر سکتے تھے کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے۔

سارے کام نمٹا کر وہ ان کے سامنے کھڑی تھی۔

"میں ضروری کام سے بازار تک جا رہی ہوں۔ ایک آدھ گھنٹے تک آ جاؤں گی۔ کچھ منگوانا ہے

Watermarkly

آپ نے؟"

ان کا نفی میں ہلتا سر دیکھ کر اسے ایک بے نام دکھ نے گھیر لیا تھا۔ گھر میں بہت کچھ نہیں تھا۔ بہت کچھ ایسا جو بھی اس گھر کا حصہ تھا یا کسی روایت سے جڑا تھا۔ تو کیا انہوں نے سب فراموش کر دیا تھا؟ یہ سوچنا ہی تکلیف دہ تھا۔ بھاری دل کے ساتھ وہ گھر سے باہر نکل گئی۔

وہ ریٹائرڈ پروفیسر تھے۔ شریکِ حیات بھی اسسٹنٹ پروفیسر ہوا کرتی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد احساس ہوا کہ وہی تھیں جنہوں نے اس گھر کے ساتھ انہیں بھی سمیٹ رکھا تھا۔ ان کی زندگی میں لگتا تھا سب خود کار طریقے سے ہو رہا ہے لیکن جب ان کی وفات کے بعد ایک کے بعد ایک ملازم آتا اور جاتا رہا تو انہیں احساس ہوا کہ یہ سارا انتظام ملازم نہیں وہ چلا رہی تھیں۔ سمیعہ نے انہیں جس طرز زندگی کا عادی بنا دیا تھا، وہ مہیا کرنا کسی ملازم کے بس کی بات نہیں تھا۔ اب یہ لڑکی آئی تھی اور اس میں سمیعہ کی جھلک دکھائی دیتی تھی لیکن اپنا پتا نہیں دیتی تھی کہ یہ تھی کون۔

اس کے جانے کا یقین کر کے وہ پھرتی سے اٹھے۔ یوں جیسے ابھی اس کے لوٹ آنے کا احتمال ہو۔ اپنے کمرے سے سال خوردہ پی ٹی سی ایل کا فون سیٹ نکال کر انہوں نے بیڈ کی میز سے ایک ڈائری نکالی اور نمبر ملا دیا۔

☆☆☆

سہ پہر ڈھلے جب وہ واپس پہنچی تو چل چل کر اس کے پیروں میں اور شاپر اٹھا اٹھا کر اس کے ہاتھوں میں شدید درد ہو رہا تھا۔ اسے اس سب کی عادت تھی۔ ابتسام نے کبھی اس کے لیے مدد جیسا کوئی تکلف نہیں کیا تھا۔ تنور میں بجھتی آگ جیسی دھوپ سارے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اگرچہ تیز نہیں تھی مگر حرارت بہت تھی۔

کچھ دیر آرام کرنے کی خواہش کو مشکل سے سلا کر وہ منہ ہاتھ دھو کر فوراً باورچی خانے میں چلی گئی تھی۔ چاول بھگو کر کباب کا مسالہ تیار کرنے لگی۔ دو افراد کے کھانے کے لیے کتنا زیادہ کھانا بنایا جا سکتا تھا۔ جھٹ پٹ سلاد اور رائتہ بنا کر اس نے کباب تلے اور ساتھ ہی ساتھ چاول بھی بگھار دیے۔ باورچی خانے کی دیوار کے ساتھ پڑی میز کو اچھی طرح صاف ستھرا کر کے وہاں کھانا لگایا اور ایک بھرپور نظر میز پر ڈال کر باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ دل کی دھڑکن معمول سے کچھ زیادہ تیز تھی۔

وہ کوئی پرانا انگلش اخبار منہ کے آگے کیے اسے یکسر نظر انداز کیے بیٹھے تھے۔

"انکل! کھانا کھا لیں گے؟ اصل میں مجھ سے اکیلے نہیں کھایا جاتا۔" اپنی پیشکش پر ان کے متوقع برے ردعمل کے پیشِ نظر اس نے گھبرا کر وضاحت بھی کر دی تھی۔

اخبار لپیٹ کر پہلو میں رکھا اور وہ ایسے اٹھ کھڑے ہوئے جیسے وہ پہلے سے اسی پیش کش کے منتظر تھے۔

میز پر کھانا دیکھ کر انہوں نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ خاموشی سے کھانا کھا کر وہ اٹھ گئے تو گنتی کے چار برتن دھو کر، اس نے چائے بنائی اور ایک ٹرے میں رکھ کر ان کے پاس لے گئی۔ اخبار سامنے میز پر پڑا تھا اور وہ آنکھیں بند کیے کرسی میں دھنسے بیٹھے تھے۔

ہوا رکی ہوئی تھی اور ایک حبس کی کیفیت چھائی ہوئی تھی۔ مینائیں پھدکتی ہوئی ایک سے دوسرے درخت پر جا رہی تھیں۔ کوؤں نے الگ راگ چھیڑ رکھا تھا۔ اسے یاد آیا، امی کہتی تھیں جب کوا بولتا ہے تو کوئی مہمان آتا ہے۔ ایک پھیکی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیلتے پھیلتے سکڑ گئی۔ چائے میز پر رکھ کر اخبار اٹھا کر وہ بھی دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تمہیں اپنا کوئی کام نہیں ہے؟ میری تنہائی میں دخل اندازی کی اجازت نہیں دی میں نے تمہیں۔ جو چار دن یہاں ہو، ڈھنگ سے رہو ورنہ اپنا ٹھکانا کہیں اور کر لو۔"

وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی چھوٹی چھوٹی بے مزہ خفگیاں ان کو کس وہم میں مبتلا کرتی ہیں۔ بیٹھتے بیٹھتے وہ ایک دم الرٹ ہو کر ایسے کھڑی ہو گئی جیسے پرائمری اسکول کی بچی استاد کی آواز پر حواس کھو بیٹھتی ہے۔

"بس... سوری۔ سوری۔ میں بس.. ایسے ہی بس۔" اس کے الفاظ گم ہو گئے تھے ایسی غیر متوقع عزت افزائی پر۔

وہ ایسی بدحواس ہوئی تھی کہ میز پر سے اپنا چائے کا کپ اٹھائے بنا ہی اندر دوڑ لگا گئی تھی۔

بھربھری مٹی کی چٹان کی دراڑوں میں آنسوؤں کا پانی بہنے لگا تھا۔ یہ لڑکی کون تھی؟ کہاں سے آئی تھی؟ اس کے ایک ایک قدم پر گئے گزرے زمانے لوٹ کر آنے لگے تھے۔

میز پر کھانا لگانے کا انداز کہہ رہا تھا یہ سلیقہ اس گھر سے چرایا گیا ہے۔ چائے کا ذائقہ بتا رہا تھا کہ وہ غیر نہیں کوئی اپنا سا ہے۔ کوئی محرم ہے جو سب راز جانتا ہے۔ مگر وہ تھی کون؟

آنسوؤں کا ذائقہ چائے کی پیالی میں گھل گیا تھا اور فضا میں جس کچھ اور بڑھ گیا تھا۔ اندھیرے کمرے میں برسنے والی برسات اور تھی، لان میں کرسی پر نیم دراز وجود کی آنکھ سے ٹپکنے والے آنسو کوئی اور تھے۔ وہ دونوں انجان تھے کہ ان کے بیچ ٹھہرا زمانہ ایک ہی تھا۔

☆☆☆

وہ کب سے دروازے پر لگی گھنٹی کا بٹن دبا کر کھڑا تھا مگر وہ دروازہ جسے کبھی دستک کی ضرورت نہیں پڑی تھی، اندر سے بند تھا۔ ایک تو آج گرمی تھی انتہا کی تھی اور دوسرا اسے امید نہیں تھی، دروازہ بند بھی مل سکتا ہے۔ وہ جھنجھلایا ہوا تھا۔ سارے اخلاق سبق بھلائے وہ گھنٹی بجائے جا رہا تھا۔

"کون ہے؟" دروازے کی دوسری سمت سے ہموار آواز سنائی دی۔

"دروازہ کھولیں۔ میں وجاہت حسن ہوں۔"

"کون وجاہت حسن؟"

"اقبال صاحب کا بیٹا۔ اب اگر مزاج پر گراں نہ گزرے تو باقی انٹرویو پنکھے کی ہوا میں بیٹھ کر لے لیں؟"

"لیکن ان کا تو کوئی بیٹا نہیں ہے۔" بلا ارادہ ہی اس کے ہونٹوں سے پھسلا تھا۔ سرزنش کرتے اس نے زبان دانتوں تلے دبائی تھی۔ سوچنا موقوف کر کے اس نے دروازہ کھول دیا۔

وہ ایک پچیس چھبیس سال کی لڑکی تھی۔ یقیناً وہ ابھی نہا کر آئی تھی اور اسی وجہ سے دروازہ دیر سے کھلا تھا۔ اس کے سیاہ گیلے بال چہرے سے چپکے ہوئے تھے۔ یہ بالکل بھی کوئی فلمی اور خوب صورت منظر نہیں تھا۔ لڑکی سے نظر ہٹا کر اس نے بابا کی مخصوص جگہ پر دیکھا۔ وہ وہاں نہیں تھے۔

"بابا کہاں ہیں؟"

"کون بابا؟" وہ جانے کس دھیان میں تھی۔

"ظاہر ہے میرے بابا۔ اب آپ کے بابا کا تو پوچھنے سے رہا۔ میں نے کون سا رشتہ بھجوانا ہے۔"

وہ اس کی بات پر پہلو بدل کر رہ گئی۔ اگر وہ اس گھر کے مالک کا بیٹا نہ ہوتا تو وہ دروازہ ہی نہ کھولتی۔ کیسا بے باک تھا۔

"گھر پر نہیں ہیں۔ بازار تک گئے ہیں۔"

"بابا اور بازار....." وجاہت کو حیرت ہوئی تھی۔ کتنا وقت ہو گیا تھا انہیں اس گھر سے کہیں باہر نکلے۔ حجام گھر آ کر حجامت بنا دیتا تھا۔ اخبار والا تازہ اخبار روز وقت پر گھر پہنچا جاتا تھا۔ کام والی آ کر کام کر جاتی تھی۔ ساتھ کے گھر میں ایک بیوہ رہتی تھی جو اجرت پر ان کا کھانا بنا دیا کرتی تھی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ اتنے عرصے بعد کون سا ایسا کام تھا جو بابا کو بازار کے راستے پر لے گیا تھا۔ دھلے دھلے شفاف منظر پر نظر جمائے وہ وہیں سوچ میں گم تھا۔

پیچھے دروازہ کھلا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دروازہ بند کر دے یا وہیں کھڑی اس کے جانے کا انتظار کرے۔ وہ اس کی پریشانی سمجھ گیا تھا۔

Watermarkly

"میں کوئی چور لٹیرا نہیں ہوں، اطمینان رکھیں اور دروازہ کھلا رہنے دیں۔ آپ سے پہلے مجھے بھی یہ دروازہ بند نہیں ملا۔"

اثبات میں سر ہلانے کے باوجود اس نے دروازہ بند کر دیا۔ تب تک وہ اندر جا چکا تھا۔ اس کا رخ لان میں پڑی کرسیوں کی طرف تھا۔ پنکھا چلا کر اس کا رخ اپنی طرف موڑ کر کرسی درخت کے سائے میں کر کے وہ وہیں بیٹھ گیا۔ آئرہ اسے وہاں بیٹھتا دیکھ کر باورچی خانے میں چائے بنانے چلی گئی۔ وہ حیران تھی کہ اگر اقبال صاحب کا کوئی بیٹا تھا تو اسے کیوں پتا نہیں تھا؟ اسے تو ان کی صرف ایک بیٹی کا پتا تھا۔ وہ چائے بنا کر لائی تو وجاہت حسن غنودگی میں تھا۔ پنکھے کی گرم ہوا میں کب فطرت نے ٹھنڈک کی ملاوٹ کی اسے پتا ہی نہیں چلا۔ درخت اپنی شاخیں لہرا لہرا کر جھوم رہے تھے۔ اپنے سیاہ اڑتے دوپٹے کو بمشکل قابو کرتے اس نے میز پر چائے رکھی اور آواز دے کر واپس جانے کے لیے مڑی۔

"اتنی گرمی میں چائے کون پیتا ہے؟"

"آپ کے بابا۔" لبوں کا کونہ دبا کر اس نے مسکراہٹ روکی۔

"تو یہ بابا کے لیے رکھیں۔ میں سادہ پانی پی لیتا ہوں۔"

"میں لا دیتی ہوں۔" وجاہت جانے کے لیے اٹھا تو وہ فوراً بول پڑی۔ چائے کا کپ اپنے لیے رکھ کر اس نے فریج میں سے آلو بخارے کا شربت نکالا اور ٹرے میں گلاس کے ساتھ رکھ کر لے آئی۔

"شکریہ۔"

بنا کچھ کہے وہ واپس چلی گئی اور وجاہت گردو پیش پر نظر دوڑاتے، شربت کی ٹھنڈک وجود میں جذب کرنے لگا۔

ایل کی شکل کی پکی روش دھلی اور نکھری ہوئی تھی۔ لان بھی جیسے کسی نے بڑی محنت سے صاف کیا تھا البتہ پودوں کو تراش خراش کی ضرورت تھی۔ جہاں جہاں تک نظر جا رہی تھی ایک آباد گھر کا منظر دل کو سکون دے رہا تھا۔ اس گھر میں عورت کے وجود کا بھرپور احساس سانس لے رہا تھا۔ اس لڑکی کو دیکھ کر ہی اسے بابا کی تشویش بے جا لگی تھی مگر اس گھر پر اس کی موجودگی کے اثرات دیکھ کر، اسے احساس ہوا تھا کہ بابا اس لڑکی کو لے کر ٹھیک پریشان تھے۔

اس کے شربت ختم کرنے سے پہلے بابا بھی آ گئے تھے۔

"السلام علیکم بابا جان۔"

"وعلیکم السلام۔ کب آئے؟" میز پر ایک عدد شاپر رکھتے وہ اس کے قریب کرسی پر بیٹھ گئے۔ تھکن ان کے چہرے سے مترشح تھی۔

"جب آپ سیریں کرتے پھر رہے تھے۔" کہتے ہوئے مسکرا کر اس نے شربت گلاس میں ڈال کر ان کے آگے رکھا۔

"بس یار کہاں کی سیریں۔ جوان جہان لڑکی ہے۔ اکیلی باہر نکلتی ہے تو ڈر لگتا ہے۔"

شربت کا گلاس انہوں نے ایک ہی سانس میں خالی کیا تھا۔ کمرے کی کھڑکی سے آئرہ نے وجاہت کو اپنے جوٹھے گلاس میں شربت ڈالتے اور انہیں اس گلاس میں شربت پیتے دیکھا تھا۔ اس نے آنکھیں مسلیں۔ اس نے بالکل ٹھیک دیکھا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جو کسی کے گلاس میں پینا تو درکنار، دھلے گلاس کو بھی دوبارہ دھلوائے بغیر پانی نہیں پیتا تھا۔

"سب بدل گیا کیا؟" اس نے خود سے پوچھا اور کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گئی۔

"کتنے دن کے لیے آئے ہو؟"

"ہمیشہ کے لیے۔" کھڑکی سے اسے ہٹتے دیکھ کر وجاہت نے نگاہ کا زاویہ بدلا۔

"اگر اس لڑکی کے لیے کہہ رہے ہو تو تمہیں بتا دوں، یہ شادی شدہ ہے۔" اس کی طرف جھک کر انتہائی رازدارانہ انداز میں انہوں نے شرارت سے کہا۔

"مگر لگتی نہیں۔" اس نے بھی اسی شرارت سے جواب دیا۔

"لگنے سے کیا ہوتا ہے؟ لگتے تو تم بھی..."

"آپ ہر معاملے میں مجھے گھسیٹ لیا کریں۔ ایک ہفتے کے لیے آیا ہوں اور یہ مدت کم زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔" اس نے خفگی سے جواب دیا۔ وہ ہزار بار انہیں اپنے گھر آ کر رہنے کا کہا تھا لیکن وہ یہاں سے کہیں جانا نہیں چاہتے تھے۔ ہاں البتہ اکثر ان کے پاس رہنے آ جاتا تھا۔

"کیا تم نے کچھ غور کیا؟ ایسا نہیں لگتا یہ کوئی جاننے والی ہے۔"

"لگتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ کوئی جاننے والی ہے اور آپ اسے نہیں جانتے تو یہ کیسے اتنا کچھ جانتی ہے اور یہ بھی کہ اس طرح شناخت چھپا کر کیا کرنا چاہتی ہے۔"

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ یہ کون ہے اور کیا چاہتی ہے۔"

انہیں وہ لڑکی گھر کے اندر داخل ہونے سے ہی کھٹک گئی تھی۔ کوئی بھی خاص طور ایک لڑکی کہیں کسی گھر میں داخل ہوتے سو بار سوچتی ہے اور یہاں وہ کتنے آرام دہ انداز میں نہ صرف داخل ہوئی بلکہ یہاں رہنے میں بھی اسے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ کمرے میں کتاب لے کر بیٹھی آئرہ کو ذرا اندازہ نہیں تھا کہ وہ انہیں کتنی الجھن میں ڈال چکی ہے۔

☆☆☆

آج بالکل میں رمضان کا چاند نظر آنے والا تھا۔ رمضان میں بازار نکلنے کا تصور ہی سوہانِ روح تھا سو دوپہر میں وہ بازار جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ کھانا پکانے کے لیے بہت سی چیزیں آنے والی تھیں۔ وہ چادر اوڑھ کر باہر نکلی تو وجاہت حسن اسے مرکزی دروازے کے قریب ہی مل گیا۔ نظر انداز کرتی وہ منہ ڈھانپ کر باہر نکل آئی۔ اسے اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ اس کے ساتھ جا رہا تھا یا اپنے کسی کام سے جا رہا تھا۔ بارہ پندرہ منٹ میں اس کا حوصلہ جواب دے گیا۔

"اگر آپ اپنے کسی کام سے جا رہے ہیں تو پلیز فاصلہ رکھ کر چلیں۔ میں نہیں چاہتی کہ کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ آپ میرے ساتھ ہیں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔ گویا خوف ہو کوئی سن لے گا۔

"مگر میں یہی چاہتا ہوں کہ لوگ یہ سمجھیں آپ میرے ساتھ ہیں۔" جتنے دھیمے پن سے اس نے کہا تھا وجاہت نے اتنی ہی تیزی سے اس کی بات کا جواب دیا تھا اور پھر ذہن میں کسی منظر کے ابھرنے پر ایک دم خاموش ہو گیا۔ اسے ایسے لگا جیسے اس نے بات درمیان میں روک دی ہے۔

"آپ کے اکیلے آنے سے بابا کو مسئلے سو انہیں پریشانی سے بچانے کے لیے۔" جھکے سر کے ساتھ چلتے اس نے وضاحت دی۔ وہ اس طرح نکلی تھی کہ اسے گاڑی نکالنے کی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔

وہ خاموشی سے چلتی رہی۔ سبزی مارکیٹ سے پھل، سبزیاں اور دوسرے مسالہ جات کی خریداری کے دوران وہ بالکل خاموشی سے اس کے ساتھ رہا۔ جہاں جہاں ادائی کرنی ہوتی، وہ اسی خاموشی سے نکال کر پیسے دے جاتا اور اس کے ہاتھ بڑھانے سے پہلے سامان پکڑ لیتا۔ پتا نہیں کیوں اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی اور اندر کہیں کسی گوشے میں آنسو گر رہے تھے۔ کوئی تھا جو اس کے ساتھ تھا اور اس کا بوجھ بھی اٹھا رہا تھا اور یہ کوئی وہ نہیں تھا جسے ہونا چاہیے تھا۔

"ویسے تمہارا شوہر کرتا کیا ہے؟" اس کے ساتھ چلتے وہ پوچھ رہا تھا۔

"واپڈا میں ملازم ہیں۔"

"یعنی گالیاں کھانے والے کام کرتا ہے اور تم کیا کرتی ہو؟ بابا بتا رہے تھے، تمہارا یہاں تبادلہ ہوا ہے۔"

اس نے کڑی نظروں سے اسے گھورا تھا۔ "میں جو بھی کرتی ہوں، تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟"

"میں تو بس جنرل نالج کے لیے پوچھ رہا تھا

Watermarkly

اور دیکھو تم شادی شدہ ہو، میں محبت شدہ۔ میں جس سے محبت کرتا ہوں وہ بھی مجھ پہ جان چھڑکتی ہے اور اس سال میں ہماری شادی ہو جائے گی۔ اس لیے اپنا تو معاملہ بالکل صاف سیدھا ہے۔ تم دل پہ مت لینا۔"

اس کی بکواس پر اس کا خون کھول کر رہ گیا تھا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے، تم بے حد گھٹیا بکواس کرتے ہو؟"

"ارے واہ.. تم سے تو بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔ جیسے مجھے ابھی تم سے پتا چلا بکواس بڑھیا بھی ہو سکتی ہے۔"

اسے بے اختیار ہنسی آئی تھی لیکن سختی سے منہ بھینچ کر چلتی رہی۔

گھر آ کر سامان سمیٹتے وہی جاں گسل درد ایک بار پھر، رگ و پے میں جنوری کی سرد ہوا کی طرح اترنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں کی طمانیت اور ہونٹوں کی پر سکون گنگناہٹ بھانپ میں تحلیل ہوتے وجاہت حسن نے بغور دیکھی تھی۔ مگر یہ اس کا سر درد نہیں۔ اس نے سوچا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ اس کے سر کا درد نہیں بلکہ دل کا درد بننے والی تھی۔

ایک ہی دن وہاں گزار کر اسے احساس ہو رہا تھا کہ واقعی وہ بھید جاننے والی تھی۔ پانی کا گلاس دینے تک وہ اس گھر کے مروجہ اصولوں پر چلتی تھی۔ آنٹی زندہ تھیں تو وہ ہمیشہ چپٹی پلیٹ میں شیشے کا گلاس ڈھک کر دیتی تھیں اور اسی طرح پسند کرتی تھیں۔ یہ بھی اسی طرح کرتی تھی۔ کھانے پینے کے اوقات کے ساتھ ساتھ میز پر برتنوں کا سلیقہ اس کے ہمراز ہونے کی چغلی کھاتا تھا مگر وہ کسی پکڑ میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ بابا کے کمرے میں ان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جب اسی شام رمضان کا چاند نظر آ گیا۔

"جا کر پوچھ لو، کہیں صبح روزہ رکھنا ہو۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو لا دو۔"

بابا جان کے کہنے پر وہ باہر نکلا تو وہ اپنے زیر تصرف کمرے میں نماز ادا کر رہی تھی۔ کچھ دیر وہ کھڑکی سے اس کے ہیولے کو تکتا رہا اور پھر واپس بابا جان کے کمرے میں چلا گیا۔

☆☆☆

عشاء کی نماز کے بعد وہ گھر آیا تو انیہ کا فون نہیں ہوا کہ وہ دانستہ ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں سے وہ اپنے کمرے میں کتاب پکڑ کر بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھی واضح دکھائی دے رہی تھی۔ اس لڑکی نے آج اسے کئی بار حیران کیا تھا۔ صبح جب وہ اٹھا تو وہ چہرے پر پریشانی لیے شیلف کے سامنے کھڑی تھی۔

"گیس نہیں آ رہی اور مجھے سحری کے لیے روٹی بنانی ہے۔ کوئی سلنڈر وغیرہ ہے یہاں؟"

"سلنڈر کا تو بابا ہی بتا سکتے ہیں کیونکہ مجھے تو اس کا نہیں پتا۔ میں بازار سے روٹی لا سکتا ہوں۔"

گھڑی پر نگاہ کرتے اس نے ایک بار پھر چولہا جلانے کی کوشش کی۔

"میں روٹی لے کر آتا ہوں۔ تب تک اوون میں سالن گرم کر لو۔"

کتنی چھوٹی سی بات تھی لیکن سحری کے بعد جب وہ فجر پڑھ کر گھر واپس آیا تو وہ بھی شکر مندی دکھا رہی تھی، اس نے وجاہت حسن کو بہت حیران کیا تھا۔ بازار سے روٹی لا کر دینا کوئی ایسی بڑی بات نہیں تھی۔ یوں بھی اس نے بھی تو روزہ رکھنا ہی تھا۔

اس نے آج ہی جوائننگ دی تھی اور وہ اندازہ کر سکتا تھا، سرکاری دفاتر میں جس طرح لوگ اپنی مرضی سے کام کرتے ہیں، اس کے ساتھ کیا سلوک ہوا ہوگا۔ واپس پر وہ تھکی ہوئی تھی اور کچھ روزہ بھی تھا۔ عصر کے بعد بھی وہ کمرے سے نہیں نکلی تو اس نے از خود افطاری کا انتظام کر لیا تھا۔ جن دنوں وہ پاکستان سے باہر تھا، اپنی خوش خوراکی کے باعث اس نے تقریباً سب کچھ ہی بنانا سیکھ لیا تھا۔ اس کے دوست احباب سب کہتے تھے کہ اس کی بیوی بڑی خوش رہے گی۔

فرنج میں سے پھل نکال کر اس نے فروٹ چاٹ بنائی اور ترانیہ بنا لیا۔ جس وقت وہ اوون سے ٹرے نکالنے، اسے اٹھانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا وہ خود ہی بدحواس سی اٹھ کر آ گئی۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار ٹھہرا ہوا تھا۔

"میں ابھی بابا سے کہہ رہا تھا، تمہیں جگا دیا۔"

"آئی ایم سوری۔ وہ آج پہلا ون تھا، بس ادھر ادھر بھاگتے تھک گئی تھی۔"

"ظاہر ہے کیریئر بنانے کے لیے بھاگ دوڑ تو کرنی پڑتی ہی ہے۔" اس نے سرسری سا کہا تھا۔

"لازمی نہیں ہر لڑکی کو کیریئر نامی بلا کا خبط ہو۔ میرے اندر اس کیریئر کا کیڑا نہیں ہے۔"

آج کے دن میں اس نے وجاہت حسن کو دوسری بار حیران کیا تھا۔ پھر ابھی کچھ دیر پہلے جب وہ بابا کے ساتھ ان کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا، وہ آ گئی۔

"وہ.. صبح سحری میں گیس چلی گئی تھی۔ میں کہہ رہی تھی کہیں صبح بھی.."

"میں سلنڈر بھروا لایا تھا۔ سیڑھیوں میں پڑا ہے باہر۔"

"تو اسے اٹھا کر باورچی خانے میں رکھ دیتے تو آسانی رہتی مجھے۔"

"زیادہ بھاری نہیں ہے اگر ضرورت پڑی تو تم خود اٹھا کر رکھ لینا۔"

وہ بنا کچھ کہے مڑ گئی تھی لیکن ابھی جب وہ فون لے کر سیڑھیوں کی طرف جا رہا تھا وہ بجلی کی تیزی سے اس کی طرف آئی تھی۔

"سلنڈر اٹھا کر کچن میں رکھ دینا۔"

اس نے سلنڈر اٹھایا اور باورچی خانے میں رکھ دیا۔

"اتنا سا تو تھا... آسانی سے اٹھا سکتی تھیں تم۔"

"تو تم نے بھی تو آسانی سے اٹھا کر رکھا ہے۔ ویسے بھی جو میرے کرنے والے کام ہیں، میں کر رہی ہوں۔"

یہ جو دل ہوتا ہے ناں.. اندر کہیں سب جانتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے۔ کہاں رکنا ہے، ٹھہرنا ہے اس کے باوجود کسی ضدی بچے کی طرح من مانی کرتا چلا جاتا ہے۔ تو اس وقت وجاہت حسن کے دل کو معلوم تھا اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے، بات کو طول نہیں دینا چاہیے لیکن وہ کھڑا رہا۔

"مثلاً؟ کون سے کام تمہارے کرنے والے ہیں اور کون سے میرے؟"

"کیا تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں؟ ٹھیک ہے، تم نے افطاری بنا کر مجھ پر احسان کر دیا لیکن خود سوچو لڑکی ہو کر میں اس طرح کے مردوں والے کام کرتی اچھی لگوں گی؟" اس کی سنجیدگی میں ایک شرارت سی تھی۔ وہ تھمی ہی ویران اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

ایک یہ لڑکی تھی.. ایک انیہ۔ اس کا اور انیہ کا موازنہ بنتا نہیں تھا لیکن وہ بے اختیاری موازنہ کرتا چلا جا رہا تھا۔

اس روز کالج کے گراؤنڈ میں سرمئی اجالا پھیلا ہوا تھا۔ آسمان پر بادلوں کے خیمے تھے۔ سورج کو جیسے بے وقت چھٹی مل گئی تھی۔ سرسبز و شاداب گھاس پر لڑکے لڑکیاں ٹولیوں کی صورت بیٹھے ہوئے تھے۔

"زندگی کوئی ریاضی کا سوال تو نہیں کہ اس کو ایک ہی کلیہ یا فارمولے کے تحت گزاری جائے۔ یہ تو ہر ایک کے لیے ایسے ہی مختلف ہے جیسے ہم سب ایک دوسرے سے۔ سب کے لیے الگ فارمولے ہیں جو ہمیں خود اپنے لیے وضع کرنے چاہئیں۔"

ساتھ بیٹھی لڑکیوں سے بات کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ اس کی بات پر کینٹین کی طرف جاتے وجاہت حسن کی سیٹی پر بجتی دھن بند ہو گئی تھی۔ وہ رک گیا تھا۔ پتا نہیں بات خاص تھی، آواز خاص تھی کہ وہ وقت خاص تھا جس میں اس نے یہ بات اس آواز میں سنی تھی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس نے ہزار بار سوچا تھا کہ چلا جائے یا ٹھہر جائے۔ اگر

Watermarkly

رکے تو کس لیے؟ وہ ٹھہرا کہ نہیں اس کا وقت ضرور ٹھہر گیا تھا۔

ہونٹوں پر بجنے والی دھن اب اندر کہیں بج رہی تھی اور اس کا دل اس دھن پر رقصاں تھا۔ جیسے کسی کافی، کسی قوالی پر ملنگ اپنا آپ بھول کر رقص کرتے ہیں، بالکل ویسے ہی۔ گڑیا جیسی دکھنے والی وہ لڑکی بہت الگ، بہت مختلف لگ رہی تھی۔ بارش کی ننھی منی بوندوں نے ہمت کر کے مٹی کی پیاس پر خود کو نثار کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایک شور اٹھا۔

"بارش شروع ہو گئی ہے۔"

جس کو جہاں راستہ ملا وہ اس طرف اٹھ کر بھاگنے لگا۔ وہ تینوں لڑکیاں اٹھ کر اس کی طرف مڑیں اور اس سے کچھ دور جا کر کھڑی ہو گئیں۔ منچلے لڑکوں کا ایک گروہ بارش میں رقص کرنے لگا تھا۔ کسی نے فون پر گانا چلا دیا۔ برآمدوں میں کھڑے طالب علم پرجوش ہو کر تالیاں بجا رہے تھے اور اسے لگ رہا تھا یہ سب اس لمحے کی خوشی کو منا رہے ہیں جو آیا تو محض ایک لمحے کے لیے مگر زندگی بھر کے لیے ٹھہرنے والا تھا۔

اس سب شور شرابے میں ایک وہ تھا جو سرشار سا مجسمہ بن کر کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ٹھہرا ہوا شوخ تبسم، گئے لمحے کی واردات کا پتا دیتا تھا۔ اس نے جینز کی جیبوں میں اڑسے ہاتھ باہر نکالے تو بے دھیانی میں اس کا پین نیچے گر گیا۔ وہ اٹھانے کے لیے جھکا نہیں۔ جانے کیوں دل میں ایک وہم تھا کہ اگر اس سے نگاہ ہٹی تو منظر بدل جائے گا اور وہ کہیں وقت کی دھند میں کھو جائے گی۔

"آپ کا پین نیچے گر گیا ہے۔"

اس نے اسے بولتے ہوئے سنا۔ ساتھ کی لڑکیوں کو کچھ کہہ کر وہ اس کی طرف آئی۔ اس کے پیروں میں جھک کر پین اٹھایا اور اب وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"اگر خود پر اپنا اختیار نہ رہے تو اکثر یہ اختیار کسی اور کے پاس چلا جاتا ہے اور پھر بہت رلاتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتے کہہ کر وہ واپس چلی آئی۔

"یہ کون تھا؟" سبز اور آتشیں گلابی بالوں والی حبہ جو کہ پکی فیمنسٹ کے نام سے مشہور تھی، اس نے پوچھا تھا۔

"مجھے کیا معلوم کون ہے۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا تھا جبکہ دلِ خوش فہم کہتا تھا اس کا دھیان ابھی بھی اسی کی طرف تھا۔

محبت کا اگر کوئی لمحہ تھا تو اس کے لیے وہی تھا جب اس نے اس لڑکی کو سرمئی اجالے میں بیٹھے دیکھا تھا۔ یونہی چلتے چلتے جیسے انسان کو کسی لمحے احساس ہوتا ہے کہ یہ وقت وہ پہلے بھی جی چکا ہے۔ اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ یہ نہیں کہ وہ بہت خوب صورت تھی۔ بس وہ تھی اور اس کے لیے یہی وجہ کافی تھی کہ وہ اسے دیکھتا رہے۔

مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والی انیہ مختار اسرار کی دھند میں لپٹی، اس کے لیے الجھی ہوئی وہ ڈور تھی جو ہزار تلاش کے باوجود بھی اپنا سرا نہیں دیتی تھی۔

وجاہت حسن کی زندگی ہمیشہ ایک سیدھی لکیر میں چلی تھی۔ اسے ان الجھنوں اور زندگی کی پیچیدگیوں کا نہ تجربہ تھا نہ ہی علم۔ وہ بس اس کے ساتھ اپنی کہانی کی ہیپی اینڈنگ چاہتا تھا۔ ایسی اینڈنگ جس "میں وہ دونوں" ہنسی خوشی رہنے لگے۔ اور یہ وجاہت حسن کے لیے کچھ مشکل نہیں تھا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اب وہ پاپا کے آفس جا رہا تھا۔ ممانے کتنی بار اس سے شادی کے موضوع پر بات کر چکی تھیں اور وہ انیہ سے لیکن وہ لڑکی جانے کیا چاہتی تھی۔

وہ مانتا تھا کہ شروع شروع میں اسے انیہ کی خود داری میں کشش محسوس ہوتی تھی۔ جہاں لڑکیاں اپنا مطلب نکالنے کے لیے چند تحائف کے لیے لڑکوں کے ساتھ گاڑیوں میں گھومتی اور ہوٹلنگ کرتی پھرتی تھیں، وہ اپنی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے خود جان کھپاتی تھی۔ گزرے چار سالوں میں وجاہت نے

اسے جان توڑ محنت کرتے دیکھا تھا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ اس نے بوجھ بانٹنے کی کوشش کی اور وہ آسانی سے کر سکتا تھا۔ انیہ نے ہر بار اسے روک دیا۔ مالی مدد تو دور کی بات وہ تو اس کے محبت سے دیے گئے تحائف بھی کو قبول کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔

"میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔" وہ تن کر جواب دیتی تھی۔

یہ سب اچھا لگتا تھا لیکن کبھی کبھی اس کا دل چاہتا تھا وہ اسے کوئی تحفہ دے اور انیہ اسے محبت سے قبول کرے جیسے کوئی بھی، عام لڑکی کر سکتی تھی۔ چار سالہ تعلق کے بعد بھی وجاہت حسن کے پاس کوئی ایک ایسا لمحہ نہیں تھا جس میں اس لڑکی نے کوئی پھول جیسی یاد اس کے ہاتھوں میں تھمائی ہو۔ کوئی ایسا لفظ نہیں تھا جو دھنک بن کر تخیل کو رنگ سکتا ہو۔

وجاہت کے ذہن میں محبت کا ایک خوب صورت اور رنگین تاثر تھا جو انیہ مختار کی نگاہ میں، فضولیات اور واہیات سوچوں پر مشتمل تھا۔ وہ شادی کے بعد کی مضبوط محبت پر یقین رکھتی تھی۔

وہ اپنی جگہ بالکل ٹھیک تھی۔ اس نے پہلے اپنے باپ کے ہاتھوں ماں کو پٹتے دیکھا تھا۔ پھر باپ کے بعد ان کے حصے کا زہر خلعہ نے اگلنا شروع کر دیا تھا۔ کہنے کو وہ اس سے تین سال بڑا تھا لیکن نہ تو اسے کسی ذمہ داری کا احساس تھا نہ ہی کوئی لحاظ۔

نشے کی عادت اس نے باپ سے چرائی تھی تو باقی کی عادتیں، از خود اس کے اندر آ گئی تھیں۔

پیسوں کے لیے وہ ماں کو بھی گالیوں سے نوازتا اور خود انیہ پر ایسے رکیک الزامات لگاتا کہ اس کا صبر جواب دے جاتا۔

ایک طرف وہ اپنے پیروں پہ کھڑے ہونے کی کوشش کر رہی تھی تو دوسری طرف، جانے ان جانے میں تمام مردوں سے بیزار ہوتی جا رہی تھی۔ شاید اس میں ایک ہاتھ اس کی فیمنسٹ دوستوں کا بھی تھا۔ جب اس کے حوصلے ٹوٹنے لگتے وہ اس کی ہمت بنتی تھیں۔

"ارے ہم کیا مردوں کے بغیر سروائیو نہیں کر سکتے؟ تم دیکھنا ایک دن ایسا آئے گا جب ان کے سروں پہ پیر رکھ کر ہم اپنے حصے کا مقام حاصل کر لیں گے۔"

وہ ان کی باتوں سے متفق تھی لیکن جب وجاہت کی بات آئی تو وہ کوئی فیصلہ لینے کے قابل نہیں تھی۔ یونہی سرسری سا ذکر کیا تھا اس نے شادی کا۔

"یہ شادی وادی سب چونچلے ہوتے ہیں۔ شادی سے پہلے تو یہ لڑکے، قدموں میں بچھنے کو تیار ہو جاتے ہیں لیکن بعد میں پتا کیا ہوگا؟ تمہارا بیک گراؤنڈ اور خود تم ہزار رنگ کی کسوٹیوں پہ پرکھی جاؤ گی اور تم ہر امتحان میں پورا اترنے کی کوشش کرتی اپنا آپ کھو دو گی۔ تم اپنی محنت سے اتنی آگے آ گئی ہو تو تھوڑا اور کیوں نہیں؟ اسے کہو انتظار کرے جب تک تم وہ سب حاصل نہ کر لو جو تمہارا حق ہے تاکہ کل کلاں کو وہ تمہیں نیچا نہ دکھا سکے اور اگر اس کے بغیر بھی رہنا پڑے تو تمہیں کوئی مشکل نہ ہو۔"

یہی وجہ تھی اب اگر وجاہت نے شادی کا کہا تو اس نے صاف جواب دیا تھا۔

"میری ماں ہمیشہ میرے باپ کی محتاج رہی اور باپ کے بعد بھائی کی۔ میں مردوں کے اس معاشرے میں اپنی خود کی شناخت چاہتی ہوں۔"

اور یہ اس کی ضد ہی تھی کہ اب وہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں بہت اچھی پوسٹ پر کام کر رہی تھی۔ اس سال چند ماہ بعد شادی کا پروگرام بھی اسی کا ترتیب دیا ہوا تھا اور اب.....

اب آئرہ نام کی یہ لڑکی نظر آئی تھی جسے دیکھ کر گمان ہوتا تھا وہ کسی اور سیارے سے ہے۔ دل بے ساختہ اس کی اور کھنچا چلا جاتا تھا۔

انیہ اسے اپنے کسی متوقع بین الاقوامی دورے کے بارے میں بتا رہی تھی لیکن فون پر بات کرتے ہوئے وجاہت کا دھیان انیہ کی باتوں کی طرف نہیں تھا۔ دھیان کا پرندہ تو کتاب گود میں رکھے نیند میں تھا۔

Watermarkly

ڈوبی اس لڑکی کے گرد چکر کاٹ رہا تھا۔

☆☆☆

دوپٹہ بیڈ پر ڈالے وہ اگلے دن کے لیے کپڑے استری کر رہی تھی۔ دن اگرچہ آج کا بھی آسان نہیں تھا لیکن بہرحال وہ پچھلے دن سے کم تھکی ہوئی تھی۔ آفس سے واپسی پر الارم سیٹ کر کے وہ سو گئی تھی۔ اس لیے خوش اسلوبی سے سارے کام نمٹانے کے بعد بھی تھکی ہوئی نہیں تھی۔

دفعتاً اسے کسی کی نظروں کا احساس ہوا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا لیکن کوئی دکھائی نہیں دیا۔

تب کھلے دروازے سے سامنے چھت پر پڑی۔ فون کان سے لگائے جانے وہ اپنے دھیان میں کھڑا تھا۔ اس نے دوپٹہ اٹھا کر سر پر ڈالا۔ پتا نہیں کیوں وہ اس کی باتوں پہ حیرانی سے اسے دیکھتا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ اتنی گہری نظر سے دیکھتا تھا کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی سنسنانے لگتی۔ شام میں جب وہ افطاری کی تیاری کر رہی تھی۔ وہ فریج سے پھل نکالنے کھڑا ہو گیا۔ اسے اس کی موجودگی سے عجیب کوفت ہو رہی تھی۔

"کیا کرنے لگے ہو؟"

"روزہ ہے تو ظاہر ہے، کھانے تو نہیں لگا۔ افطاری کے لیے فروٹ چاٹ بنانے لگا ہوں۔"

"تمہارے ساتھ کوئی مسئلہ ہے کیا؟ جو تمہارے کام کرنے والے ہیں، تم وہ کرو جا کے۔ میں بنا تو رہی ہوں افطاری۔ ایسے ہی عورتوں کی طرح باورچی خانے میں گھس کر کھڑے ہو جاتے ہو۔" اسے جلی کٹی سنا کر سکون جیسے اندر تک اترتا تھا۔

اس کی بات پر چاقو ٹوکری میں چھوڑ کر شیلف سے ٹیک لگا کر سینے پر بازو لپیٹے وہ اس کی جانب جیسے بڑی دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ "یہ عورتوں والے کام کون سے ہوتے ہیں، ذرا بتانا مجھے؟"

"پلیز..." ایک دم اسے رونا آنے لگا تھا۔ گزرے چھ سالوں نے اس کی زندگی میں ہر لفظ [illegible] اگرچہ وہ شروع سے جانتی تھی، دنیا کے لیے ان باتوں کے یہ معنی نہیں پھر بھی.. پھر بھی وہ اپنی بات سمجھا نہیں پائی تھی۔

ابتسام کے ساتھ اس نے چار سال گزارے تھے اور ابتسام نے اس کی زندگی کو ہی ایک اور رنگ میں رنگ دیا تھا۔ اب وہ اس سے دور تھی تو اپنے ذہن میں موجود رنگوں کے معنی کو دنیا کے معنوں سے ہم آہنگ کرنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔

بنا کچھ کہے وہ باہر چلا گیا تھا۔ پھر افطاری کے بعد وہ اس سے پوچھنے آیا تھا کہ بازار سے کچھ منگوانے کی ضرورت تو نہیں۔

وہ نہیں جانتا تھا، ابتسام نے اسے گزرے چار سالوں میں کیسی ٹریننگ دی تھی۔ ابتسام کے ساتھ کہنے کو اس کی لو میرج تھی لیکن یہ وہ ہی جانتی تھی کہ اس شادی میں ابتسام کی طرف سے لو ہو تو ہو اس کی طرف سے صرف مجبوری تھی۔ ابتسام اس کے لیے زہریلے ماحول سے نکلنے کا ایک ذریعہ تھا۔

جس وقت اماں کی وفات ہوئی، وہ بارہ تیرہ سال کی تھی۔ پھوپھی کے مسلسل دباؤ ڈالنے پر ابا معافیہ کو بیاہ کر لے آئے تھے۔ معافیہ کی اپنی دو بیٹیاں تھیں۔ رشنا اس سے بڑی اور ثمر اس سے چھوٹی۔

رشنا نے نفرت کے سارے سبق معافیہ سے ایسے پڑھے تھے کہ اسے کچھ سکھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ معافیہ کی دیکھا دیکھی وہ اسے گالیاں دیتی اور موقع ملنے پر ٹھکائی بھی کر دیتی تھی۔ اس کے اندر نفرت ہی نفرت بھرتی جا رہی تھی۔ شروع شروع میں اس نے ابا سے شکایت کرنے کی کوشش کی تھی لیکن معافیہ میٹھی بن کر اسے ایک طرف کر دیتی۔

"بچیاں ہیں لڑ پڑتی ہیں۔ پیار بھی اتنا ہی کرتی ہیں ایک دوسرے سے۔"

یہ بات سمجھ میں اسے آج تک نہیں آئی تھی کہ ابا نے کبھی اپنی سمجھ سے سارے معاملات کیوں نہیں دیکھے تھے۔ انہیں کیوں معافیہ کے سفید جھوٹ دکھائی نہیں دیتے تھے۔ یہ جس پیار کی بات معافیہ کرتی تھی، انہیں کبھی اس کی غیر موجودگی کیوں محسوس نہیں

ہوتی تھی۔

اس کے اندر آگ ہی آگ بھرتی جا رہی تھی۔ معافیہ اور رشنا کی چڑ میں وہ ہر وہ کام کرتی جس سے اسے منع کیا جاتا۔ اب اس کی سمجھ میں آیا تھا کہ معافیہ نے اس کی یہ خامی بڑی جلدی پکڑ لی تھی۔ تب ہی تو وہ اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے الٹی پٹی پڑھاتی تھی۔ جیسے میٹرک کے پیپروں کے بعد اس نے اٹھتے بیٹھتے اسے کالج میں داخلے کے فضائل گنوانے شروع کر دیے تھے۔

اپنی ناسمجھی میں اس نے آگے پڑھنے سے ہی انکار کر دیا تھا۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ وہ ان کے لیے ایک نوکرانی کی حیثیت اختیار کرتی چلی گئی۔ یہ نہیں تھا کہ سب اتنا آسان تھا۔

کام وہ کرتی تھی لیکن بے چاری بن کر نہیں۔ معافیہ کا خون کھولا کر تڑپا کر، اسے اچھی طرح جلا کر وہ کام کی طرف آتی تھی۔ اب تو معافیہ کی مار بھی اس پر اثر نہیں کرتی تھی۔ لیکن ایک ہی سال میں وہ اس ہر وقت کی چخ چخ سے تنگ آ گئی تھی۔ پھر ایک عجیب بات ہوئی۔

یہ اس دن کی بات تھی جب رشنا نہانے کے بعد جان بوجھ کر اس کے شیمپو کی بوتل کھول کر غسل خانے کے فرش پر الٹا گئی تھی۔ وہ اس سے لڑنے کے لیے کمرے میں گئی تھی۔ رشنا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اپنے بال بکھرائے کھڑی تھی اور ثمر ٹیوشن جانے کے لیے تیار ہوتی چہرے پر کریم لگا رہی تھی۔ اس کی نظر آئینہ پر پڑی اور وہ وہیں رک گئی۔ ان کے اجلے رنگوں بھرے عکس کے پیچھے وہ کسی بدنما دھبے کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ پتا نہیں کب سے اس نے بال کنگھی نہیں کیے تھے۔ بال سر پر اکٹھے ہوئے اون کے الجھے ہوئے دھاگے کی طرح لگ رہے تھے۔ وہ بڑی خاموشی سے واپس پلٹ گئی تھی۔

ساری دوپہر اس نے اماں اور ابا کے اس مشترکہ کمرے میں گزاری تھی جس میں اس نے کسی صورت بھی معافیہ کو گھسنے نہیں دیا تھا۔ ثمر اسے رات کا کھانا بنانے کے لیے کہنے آئی تھی۔

"میں نہیں بنا رہی۔ رشنا سے کہو، آج وہ بنا لے۔"

معافیہ نے آ کر دروازہ پیٹا۔

"وہ سارا دن جنگل ہو کر آئی ہے۔ پہلے کالج اور پھر اکیڈمی۔ تیری طرح ویلی بیٹھی روٹیاں نہیں توڑتی۔"

ہاں یہ ٹھیک تھا۔ گالیاں اور کوسنے دیتے معافیہ اسے راستہ دکھا گئی تھی۔ رات کو ابا کے آنے پہ وہ ان کے سامنے کھڑی تھی۔

"میں نے آگے پڑھنا ہے۔"

ایک بار تو معافیہ بھی اس مطالبے پہ حیران ہوئی تھی۔

"ڈیڑھ سال گزار کر پڑھائی کا خیال کیسے آ گیا؟ اور پیسے کیا درختوں پر اگتے ہیں جو..."

"میں اپنے ابا سے بات کر رہی ہوں۔" اس نے معافیہ کی بات کاٹی۔ "اور جب رشنا کی کالج اور اکیڈمی کی فیس جا سکتی ہے تو میری صرف اکیڈمی کی کیوں نہیں؟ میں نے میٹرک پہلی بار میں پاس کر لیا تھا۔ رشنا کی طرح دو سال نہیں لگائے۔"

ابا چاہے معافیہ کی باتوں میں آ کر اس کو دو ہاتھ جڑ دیتے تھے مگر یہاں تو سارا معاملہ ہی صاف تھا۔ اس جگہ رشنا اور اس نے شاید پہلی بار کسی بات پر اتفاق کیا تھا اور وہ یہ کہ انہیں ایک اکیڈمی میں ساتھ نہیں پڑھنا۔

دھلے نکھرے کپڑوں میں وہ خود بھی تر و تازہ نظر آتی تھی۔ اب کی بار وہ پہلے کی طرح ناامید یا مایوس نہیں ہوئی تھی۔ کچھ دیر کے لیے ہی سہی کم از کم وہ اس جہنم سے تو نکل سکتی تھی۔ اس نے خود پر توجہ دینا شروع کی تو گھر کے بہت سے معاملات میں اس کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ معافیہ بہت بگڑی تھی۔ ایک تو بے دام غلام ہاتھ سے گئی، اوپر سے فیس کا خرچ الگ۔ اسے البتہ اب کسی کی پروا نہیں تھی۔

Watermarkly

وہ ذہین تھی، محنتی تھی۔ گزرے سال کا ازالے کرنے کے لیے اس نے ایک ساتھ دو کلاسوں کے پیپر دیے تھے اور پاس بھی ہوئی تھی۔ بی اے میں اس نے کالج میں داخلہ لے لیا تھا۔ جن دنوں اس کے بی اے کے پیپر ہونے والے تھے، خالہ، جبین باجی کی شادی کے لیے اسے لینے آ گئیں۔ یہ اس کی زندگی میں ایک اور ٹرننگ پوائنٹ ثابت ہونے والا تھا۔

خالہ سے اسے ہمیشہ اماں کی خوشبو آتی تھی۔ معافیہ کی جلی کٹی باتوں کے باوجود وہ ہر تھوڑے عرصے بعد چکر ضرور لگاتی تھیں۔ وہ برملا کہتی تھیں۔

"میرا اگر کوئی بیٹا ہوتا چاہے کچھ سال چھوٹا ہی ہوتا میں تجھے اپنی بیٹی بنا کر اپنے پاس لے آتی۔"

اب بھی جبین کی شادی سے پندرہ دن پہلے ہی وہ اسے اپنے پاس لے گئی تھیں۔ شادی کی ساری تقریبات کے لیے انہوں نے اس کے لیے ایک سے بڑھ کر ایک کپڑے بنوائے تھے۔ پیپرز سے فراغت اور کچھ دن معافیہ کی بک بک سے چھٹکارا..... وہ تتلی بن کر اڑی پھری تھی۔ وہ خوش تھی، شوخ تھی۔ مایوں پہ ہی وہ جبین کی سسرال سے آنے والے سعید کے دل میں اتر گئی تھی۔ خود اسے بھی جلد ہی اس بات کا ادراک ہو گیا تھا تو پہلی پہلی بار چاہے جانے کی سرشاری نے زندگی کو دھنک کے رنگوں سے رنگ دیا تھا۔

"لڑکی! تم تو بہت آگے جا رہی ہو۔" ولیمے والے دن جبین نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا۔ "سعید رشتہ بھیجنے کی بات کر رہا تھا۔ تیاری پکڑ لو میری سسرال کو اپنی سسرال بنانے کی۔"

اس خوشی کی مدت بڑی تھوڑی تھی۔ حسب وعدہ سعید نے رشتہ بھیجا تھا لیکن اسے قبول رشنا کے لیے کیا گیا تھا۔ معافیہ نے جانے ابا سے کیا کہا تھا اور کیا نہیں کہ اس کے باہر نکلنے اور فون پر بات کرنے تک پہ پابندی لگ گئی تھی۔

رشنا کو سعید کے ساتھ رخصت ہونے میں تین ماہ کا وقت بھی نہیں لگا تھا۔ معافیہ نے فی الاعلان اپنی جیت کا جشن منایا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس کا انتظام کرنے کی دھمکی بھی لگائی تھی۔ وہ چلتی پھرتی آگ میں تبدیل ہوئی تھی۔

یہ نہ بھی ہوتا تو اب اس نے اس جہنم سے نکلنے کی ٹھان لی تھی۔ اس سے پہلے کہ معافیہ اس کے لیے اپنے بھائی کے نشئی بیٹے کا رشتہ لاتی، اس نے ابتسام کو تلاش کر لیا تھا۔ ابتسام کے والدین دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور سب بھائی بہن اپنے اپنے گھروں میں آباد تھے۔ خود وہ نوکری کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ مقابلے کے امتحان کے لیے وہ ایک دوست کے گھر ٹھہرا ہوا تھا جہاں وہ اسے پہلی بار ملی تھی۔

وہ خود جانتی تھی کہ اسے ابتسام سے محبت نہیں ہے اور یہ سب غلط ہے لیکن اگر وہ یہ قدم نہ اٹھاتی تو معافیہ، اسے ایسی جگہ پھینکتی جہاں اس کے لیے روز الگ سے جہنم دہکایا جانا تھا۔ اگر کوئی کہے کہ اس نے ابتسام پر ڈورے ڈالے تھے تو بات کچھ ایسی غلط بھی نہیں تھی۔ اس کی خوب صورتی اور جانثاری کے آگے ابتسام نے سوچ سے بھی پہلے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔

شادی کے لیے بھی کوئی اتنا تردد نہیں کرنا پڑا تھا۔ جتنا وہ معافیہ سے تنگ تھی اس سے بھی زیادہ وہ اس سے عاجز تھی۔ یوں سادگی سے شادی ہو کر جب اس نے ابتسام کے گھر قدم رکھا تو اسے اندازہ ہوا زندگی سوچ سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اس نے ابتسام کے محبت میں مبتلا ہونے کا انتظار نہیں کیا تھا اور اس سے پہلے ہی، پوری طرح اس کی دسترس میں آ گئی تھی۔ سو زندگی ایسی ہی بے رنگ ہو سکتی تھی۔ چند دنوں میں ہی مالی معاملات نے پریشان کرنا شروع کر دیا تو ابتسام کے ساتھ اس نے بھی نوکری ڈھونڈنی شروع کر دی۔

سوچا تھا نوکری ہو گی تو ابتسام قدر کرے گا لیکن یہاں وہ بالکل روایتی مرد ثابت ہوا تھا۔ اسے اس کی نوکری سے آنے والی تنخواہ، دکھائی نہیں دیتی تھی لیکن اس سے کام میں ہونے والی کمی بیشی بہت واضح دکھائی دیتی تھی۔

اسے اعتراض رہتا کہ اب اس کا دھیان "باہر" لگا رہتا ہے اور وہ گھر پر توجہ نہیں دیتی۔ روزمرہ کا سودا سلف بھی اسی کی ذمہ داری تھی۔ وہ اگر کبھی اس سے بھولنے کا کہہ دیتی تو وہ فوراً بات منہ پہ دے مارتا تھا۔

"باہر آتی جاتی ہو تو لے آیا کرو۔ یہ گھریلو عورتوں والے ٹشن نہ کیا کرو۔"

بہت جلد وہ اس سے اکتا گئی تھی لیکن اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اسے یہ رشتہ نبھانا ہی تھا سو من مار کر جو جو ہو سکتا تھا، وہ اس رشتے کو بچانے کے لیے کوشش کرتی رہی۔ تو سے چار نوکری کے بعد گھر کے کام اور ابتسام کی ضروریات نے اسے زندگی سے تھکا دیا تھا۔ وہ سوچتی تھی کہ ایک دو بچے ہو جائیں تو شاید حالات بدل جائیں لیکن قسمت میں یہ لکھا ہی نہیں تھا۔

شادی کے چار سال گزر جانے کے بعد ابتسام کو احساس ہوا تھا کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتا اور جس سے وہ محبت کرتا ہے، اس کے بغیر رہا نہیں جا سکتا۔ اس کے سارے رونے، فریادیاں، لڑائیاں.. سب بے کار گیا اور ابتسام اپنی محبت کو بیاہ کر گھر لے آیا۔

وہ اس کے ساتھ اس گھر میں نہیں رہ سکتی تھی اور اپنا گھر اب خالی ہو چکا تھا۔ ابا کی وفات کے بعد معافیہ نے ثمر کی شادی کر دی اور خود اپنے بھائی کے پاس چلی گئی۔ ہاں ایک نیکی وقت نے اس کے ساتھ یہ کی تھی کہ ابا نے اپنی زندگی میں معافیہ کے علم میں لائے بغیر اپنا گھر اس کے نام کر دیا تھا۔ معافیہ کے جانے کے بعد سے اس گھر کا ایک حصہ کرائے پر تھا اور ماہانہ ایک معقول رقم مل جاتی تھی۔

وہ اسلام آباد سے یہی سوچ کر نکلی تھی کہ اپنے گھر چلی جائے گی لیکن اسے خود نہیں علم ہوا کہ گھر کے بند دروازے کو کھولنے کے بجائے وہ اس کھلے دروازے کی طرف جا نکلی جو کبھی خوابوں کی نگری ہوا کرتا تھا۔

☆☆☆

یہ انٹرنیشنل ٹرپ اس کی زندگی میں سنگ میل ثابت ہو سکتا تھا۔ پاکستان میں موجود دو درجن برانچز میں محض سات لوگوں کو اس ٹرپ کے لیے چنا گیا تھا جن میں سے ایک وہ تھی۔ وہ وجاہت سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن پچھلی بار بات ہونے پر وہ ذہنی طور پر غیر حاضر لگ رہا تھا، اس لیے سرسری تذکرے کے علاوہ وہ بات نہیں کر سکی تھی۔ وہ جانتی تھی اسے اس کا یہ جاب کرنا ناپسند ہے۔ اس نے کئی بار اسے روکنے کی کوشش بھی کی تھی۔

"تمہیں جاب کی ضرورت ہی کیا ہے؟ میں اتنا تو کماتا ہی ہوں کہ تمہارے اخراجات کے ساتھ ساتھ نخرے بھی اٹھا سکوں۔"

"بس یہ سمجھ لو، میں اپنے آپ پہ ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ میں خود بھی کچھ ہوں۔"

وہ جانتی تھی اب بھی وہ ناراض ہو گا۔ وہ اس سے تفصیل میں بات کرنے کے لیے ملاقات کرنا چاہتی تھی لیکن وہ اس سے کہہ نہیں سکتی تھی اور دوسرا وہ جانے کہاں مصروف تھا۔ آج چھٹی تھی اور یقیناً اس نے فری ہی ہونا تھا۔ گھڑی دیکھتے اس نے وجاہت کا نمبر ملایا۔

آئرہ کپڑے دھو رہی تھی۔ گو کہ کپڑے زیادہ نہیں تھے لیکن صرف وجاہت حسن کی چڑ میں اس نے اسے بھی کام میں گھسیٹ لیا تھا۔ کسی وقت اسے محسوس ہوتا تھا، وہ ابتسام کی بے توجہی کا بدلہ اس سے لے رہی ہے۔

"یہ کپڑے اوپر لے جاؤ بلکہ ایسا کرو الگنی پر پھیلا بھی دینا۔" اپنے کپڑے الگ کر کے اس نے ٹوکری میں انکل کے اور اس کے کپڑے ڈال کر اس کے سامنے ٹوکری رکھی۔ ہاں تو وہ کیوں مفت میں نوکرانی بنی رہے۔

"تم پاگل ہو گیا؟ میں کیوں کپڑے پھیلانے لگا بھلا؟" اسے شاک لگا تھا۔

"کیوں مردانہ انا پہ چوٹ لگتی ہے؟ بتاتی

Watermarkly

چلوں یہ تمہارے اور انکل کے کپڑے ہیں۔ میرا احسان مانو کہ دھو دیے۔ اب دل چاہے تو پھیلا لو ورنہ پڑے رہنے دو۔ میں انکل کے ڈال دوں گی۔"

مزے سے جواب دے کر وہ واپس مڑ گئی تو بادل ناخواستہ اس نے ٹوکری اٹھالی۔

چھت پر پہنچنے تک جیب میں پڑا فون بجتے بجتے بند ہو گیا تھا۔ انیہ کال کر رہی تھی۔ بے وقت کی کال پہ وہ حیران ہوا تھا۔ فون کندھے اور چہرے کے درمیان رکھتے اس نے کال بیک کی۔ گزشتہ سے پیوستہ وہ اسے اپنے بین الاقوامی دورے کے بارے میں بتا رہی تھی۔ وہ جانتا تھا اس کے روکنے پر وہ رکنے والی تو ہے۔ یوں بھی وہ اس سے اجازت طلب نہیں کر رہی تھی، اپنا پروگرام بتا رہی تھی۔

سو بلا حیل و حجت وہ اس کی ہر بات پر آمین کرتا چلا گیا۔ کچھ یوں بھی کپڑے الگنی پر پھیلاتے اسے اب حزہ آ رہا تھا اور ہنسی بھی۔

فون بند کر کے انیہ حیران ہونے کے ساتھ خوش بھی تھی کہ اس نے زیادہ سخت ردِ عمل نہیں دیا تھا۔ یہ سچ تھا کہ گزرے سالوں میں وہ جس طرح اس کا سایہ بن کر رہا تھا، وہ نہ صرف اس کی عادی ہو گئی تھی بلکہ پورے دل سے اسے چاہتی بھی تھی۔ یہ بس ایک آخری مرحلہ تھا۔ اس کے بعد وہ خود کو ذہنی طور پر شادی کے لیے تیار کر چکی تھی۔

انیہ کا فون بند کر کے وہ نیچے اترا تو وہ گیلے پائنچے ٹخنوں سے اوپر کیے فرش دھو رہی تھی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟ فضہ تو نہیں ہے۔ اب روزے میں جھوٹ مت بولنا۔" اندر جاتے جاتے اس کے اندر شرارت جاگی تو وہ اس کی طرف آ گیا۔

"جو بھی ہے، تمہیں کوئی مسئلہ؟"

"یہ تم روزے میں بھی انگارے چباتی رہتی ہو.. نام ہی پوچھا ہے، کون سا پرپوز کر دیا ہے۔"

اس کا چہرہ ایک دم سرخ ہوا تھا۔ وہ تیزی سے مڑی اور پانی کے مگ سے الجھ کر نیچے گر گئی۔ یہ بھی شکر تھا کہ وہ فرش پر گرنے کے بجائے ولڈ کیے پائپ پر گری تھی۔ اب جانے یہ شرمندگی کا احساس تھا یا واقعی اسے چوٹ آئی تھی۔ وہ وہیں بیٹھی رونے لگی تھی۔

"اچھا چلو، اٹھو یہاں سے۔ اندر جا کر بیٹھو۔" وہ اس کے پاس بیٹھا فکر مندی سے کہہ رہا تھا۔

"میرا نام آئرہ ہے۔" آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ اٹھتے اس نے کہا تو بے اختیار وجاہت کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ رینگ گئی۔ مزید شرارت کا ارادہ بڑی مشکل سے ترک کیا تھا۔

وجاہت حسن نے اس روز نہ صرف وائپر لگایا بلکہ اس کے روکتے روکتے بھی اس کے کپڑے الگنی سے اتار کر تہہ لگا کر دیے تھے۔

"میں انہیں استری بھی کر کے دے سکتا ہوں۔" مسکراہٹ دبائے اسے غصہ دلانے کی کوشش کرتا وہ اتنا پیارا لگ رہا تھا کہ بے دھیانی میں اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

"آئندہ ہاتھ مت لگانا میرے کپڑوں کو۔"

"شکریہ کہتے ہیں لڑکی۔"

آئرہ کو چوٹ تو کچھ خاص نہیں لگی تھی لیکن اس کے سامنے گرنے سے ہونے والی شرمندگی کو چھپانے کے لیے وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ اس روز افطاری بھی اسی نے بنائی تھی۔ اسے اتنی پروا کرتے دیکھ کر دل نے بے ساختہ رب سے گلہ کیا تھا۔ کیا تھا اگر ابتسام بھی اس جیسا ہوتا۔

☆☆☆

اسے گئے ہوئے دو دن ہو گئے تھے۔ آئرہ کو ایک طرح کا خالی پن محسوس ہونے لگا تھا۔ وہ ایک جیتا جاگتا انسان تھا جو قدم قدم پر اپنی بھرپور موجودگی کا احساس دلاتا تھا۔ اب اس کی غیر موجودگی کا احساس ہونا تو ضروری تھا۔ یونہی بے دلی سے چیزیں ایک سے دوسری جگہ رکھتے، اس نے اپنا سامان کھولا اور پھر فون آن کر کے ہاتھ میں لیے کتنی دیر بیٹھی رہی۔

ایک نمبر پر نظریں جمائے وہ پتھر ہو چلی

تھی۔ محبت اور حفاظت کا کیسا خوب صورت رشتہ تھا کہ اس کے ساتھ اور اب اتنے دن ہوئے اس نے ایک پیغام بھی نہیں بھیجا تھا۔ کیا وہ اسے فراموش کر گیا تھا؟ مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ دل میں ایک ہوک سی اٹھی تھی۔ اسے کال کرنے اور اس کی آواز سننے کی شدید ترین خواہش کو دباتے وہ رو پڑی تھی۔ روتے روتے جانے کتنی دیر گزر گئی۔

فون ایک طرف ڈال کر اس نے مختصر سامان میں سے ایک سال خوردہ میرون رنگ کی ڈائری نکالی اور ایک اور نمبر نکالا۔ اب بھی یہی سوال سامنے تھا کہ فون کرے یا نہ۔ اس نے پہلے بھی اس نمبر پر فون نہیں کیا تھا اور اب جانے یہ نمبر چل بھی رہا تھا کہ بند ہو گیا تھا۔ سوچ سوچ کر اس نے نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔

"ہیلو۔" ایئر پیس میں ریشا کی آواز ابھری۔ اب جب کال وصول کر لی گئی تھی تو اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ "ہیلو۔"

"السلام علیکم .. مم.. میں۔" اس کی آواز حلق میں ہی پھنس کر رہ گئی اور اتنی باریک سی نکلی کہ خود وہ بھی پہچان نہیں پائی کہ یہ اس کی اپنی آواز ہے۔

دوسری طرف اسے پھر بھی پہچان لیا گیا تھا۔

"تم.. تم کہاں ہو؟ مجھے پتا چلا تم گھر سے بھاگ گئی ہو؟ کس کے ساتھ ہو؟ تمہارا اطلاق نامہ میرے گھر آیا پڑا ہے۔"

کیا کیا تھا اس آواز میں؟ الزام؟ خوشی؟ حیرت؟ اطلاع؟

اس نے بے یقینی سے فون کو دیکھا اور اتنی دیر تک دیکھتی رہی کہ لائن کٹ گئی اور آواز بند ہو گئی۔ وہ وہیں سن ہو کر بیٹھی رہی۔ افطار کا وقت آیا، گزر گیا۔ شام ڈھل گئی اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ بتیاں گل کیے وہ وہیں بیٹھی اندھیرے میں فون کو گھورتی رہی۔

عشاء کا وقت گزر گیا مگر وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ اس کا کمرہ بھی اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ بابا نے دو چار بار ادھر جھانکا مگر کچھ دکھائی نہیں دیا۔ پچھلے کچھ دنوں سے اس نے جیسے ہر شے پر اپنا تسلط جما لیا تھا۔ اس کے بغیر ہر شے لاوارث نظر آ رہی تھی۔ رات کے کھانے کا وقت بھی نکل چکا تھا اور باورچی خانے میں چولہا ٹھنڈا پڑا تھا۔ جب انتظار کی سکت ختم ہو گئی اور دل میں وسوسے آنے لگے تو انہوں نے ہمت کر کے اس کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ بتی جلائی تو وہ ایک مجسمے کی طرح ساکت و صامت بیٹھی تھی۔ یکبارگی دل ہول کر رہ گیا۔

"کیا ہوا ہے؟"

جواب ندارد۔

"طبیعت ٹھیک ہے؟"

پھر ایک خاموشی۔

"آج روزہ نہیں رکھا تم نے؟ رات کے کھانے کے لیے کچھ منگوانا ہو تو بتا دو۔ میں باہر جا رہا ہوں اپنے لیے کھانا لینے۔"

انہیں لگا تھا شاید اس بات سے اسے وقت کا احساس ہو مگر وہ اب بھی اسی خاموشی سے بیٹھی تھی۔

ناچار قدم بڑھا کر وہ اس کے پاس آ کر کھڑے ہوئے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ جیسے کسی نیند سے جاگی تھی۔ خالی خالی نظروں سے تکتے ایک دم سارے احساسات زندہ ہوئے اور سب سے پہلے زیاں کا احساس جاگا۔ وہ بیٹھے بیٹھے ان سے لپٹ گئی اور بری طرح رونے لگی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ہوا ہے اور سچ بات تو یہ کہ وہ بری طرح گھبرا گئے تھے۔

وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ وہیں اس کے پاس بستر پر بیٹھ کر انہوں نے اسے رونے دیا۔ کافی دیر رو چکنے کے بعد اس نے اچانک آنکھیں ایسے پونچھ لیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"میں کھانے کا انتظام کرتی ہوں۔" سیکنڈوں میں وہ دوپٹہ سنبھالتی کمرے سے باہر نکل گئی اور وہ وہیں حیران پریشان بیٹھے رہ گئے۔

کھانے کے بعد وہ کمرے میں سونے کے

Watermarkly

لیے چلے گئے مگر ان کا دھیان اس کی طرف ہی تھا۔ برتن دھونے کے بعد وہ کمرے میں سونے کے لیے نہیں گئی بلکہ وہیں لان میں جھولے پر بیٹھی رہی۔ وہ جب تک جاگتے رہے، وہ اسی جھولے پر بیٹھی نظر آتی رہی۔

☆☆☆

آسمان پر چاند اپنی پوری قوت کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔ ہوا کی شرارت سے پتے سرسرا رہے تھے۔ ایسے میں ریلنگ کے ساتھ، دیوار پر بیٹھے وجاہت کی نگاہ سوگوار اور بھیگی آنکھوں والی آئرہ پر مرکوز تھیں۔ وہ دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی تھی۔ بابا جان نے اسے فون کر کے بتایا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے لیکن وہ بتا نہیں رہی۔

ترجیحی بنیاد پر کوشش کے باوجود وہ آ نہیں سکا تھا۔ آج وہ آیا تو آئرہ عصر کی نماز پڑھ رہی تھی۔ نماز کے بعد اس کی موجودگی محسوس کر کے اس نے چہرے کو ڈھانپا اور دعا سلام کیے بغیر باورچی خانے میں چلی گئی۔ وہ اس رویے پر حیران تھا۔ اتنا سا تعلق تو ہو ہی سکتا تھا کہ وہ اس سے سلام لے لے۔ وہ اس کے پیچھے باورچی خانے میں چلا گیا۔

"تم باہر جا کر بیٹھو پلیز۔" منہ پر دوپٹہ کیے ہونے کے باوجود اس نے رخ موڑ لیا تھا۔

"تمہیں مجھ سے کیا مسئلہ ہے اور چہرہ کیوں چھپا رہی ہو؟"

"کوئی مسئلہ نہیں۔ کہا تو ہے باہر جاؤ یہاں سے۔"

اس کی آواز کا بھیگا پن کہہ رہا تھا، یہاں سے مت جاؤ۔ وجاہت حسن نے پوری شدت سے اس پکار کو سنا تھا۔ وہ اس کے عین سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

"تمہیں ہوا کیا ہے، یہ بتاؤ پہلے۔ پھر میں جا رہا ہوں۔"

"عدت میں ہوں.. طلاق دے دی ہے ابتسام نے مجھے۔ سن لیا؟ جاؤ یہاں سے اب۔" وہ چیخ اٹھی تھی۔

حیرت کا ایک پہاڑ تھا جو اس پہ ٹوٹا تھا۔ ابھی تو اسے یہ یقین نہیں تھا کہ وہ شادی شدہ ہے اور اب وہ طلاق کی کہانی سنا رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا اعتبار نہ کیا جائے لیکن اعتبار نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ اور اگر آئرہ جیسی پیاری روحوں کے ساتھ بھی یہ ہونے لگے تو زندگی میں خوشی کی کیا گارنٹی رہ جائے۔ اس نے شاک کی کیفیت میں سوچا تھا۔

وہ رونے لگی تھی۔

"تم چپ کروا دو اور بتاؤ مجھے، کیا ہوا ہے؟"

درد کے کھاتے کھولنا اور پھر چن چن کر دکھ نکال کر سامنے رکھنا آسان تو نہیں تھا۔ وہ کتنی ہی بار روئی تھی۔

اور اب وہ بتانے کے بعد بھیگی آنکھیں لیے دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی تھی۔ وجاہت کی نظر اس کے چہرے پر تھی۔ معلوم نہیں کیوں اس نے دل میں بڑی شدت سے اس لڑکی کے آنسو سمیٹ لینے کی خواہش کو سر اٹھاتے محسوس کیا تھا۔

اس لمحے میں اس نے بے اختیار انیہ کو بھلا دیا تھا۔ دنیا میں درد کے رشتے سے زیادہ گہرا اور خوب صورت کوئی رشتہ نہیں ہوتا اور یہ رشتہ جلدی بنتا بھی نہیں۔ یہ وہی لمحہ تھا جب وجاہت حسن نے محسوس کیا کہ جو تعلق، وہ انیہ سے اتنے سال میں نہیں بنا پایا ان جانے میں اس لڑکی سے بن گیا ہے۔

"اب کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"اب کیا ہو سکتا ہے؟" اس نے جواباً سوال داغا۔

"اگر تم مناسب سمجھو تو بتاؤ، تم ہو کون۔ میں ہی نہیں بابا جان بھی جانتے ہیں کہ تمہارا یہاں آ کر کرائے کے لیے کمرہ طلب کرنا بے وجہ نہیں تھا بلکہ اختیاری عمل تھا۔ تمہارے رکھ رکھاؤ سے ہر چیز واضح ہوتی ہے لیکن میں تو میں انکل بھی کسی آئرہ کو نہیں جانتے۔"

"میرا گھر یہیں قریب ہی ہے۔ پچھلی گلی میں۔ جب میں چھوٹی تھی تو اماں یہاں آتی تھیں

آنٹی کے ساتھ گھر کا کام کاج کروا دیتی تھیں۔ آنٹی کچھ پیسے دے دیتی تھیں اور کھانا وغیرہ بھی مل جاتا تھا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ اماں کے ساتھ میں بھی آ جاتی تھی۔ کچھ عرصہ انکل کے پاس پڑھتی بھی رہی ہوں میں۔ ہمارا گھر تب کچا ہوا کرتا تھا۔ یہاں ٹائل لگے ہوئے تھے پھر درختوں کی گھنی چھاؤں تھی۔ لان ایک اور قسم کی فیملی نیشن تھی۔ باورچی خانہ اور یہ ہوسٹ.. ہر ہر چیز سے میں دیوانہ وار محبت کرتی تھی۔ یہ ایک بے ساختہ عمل تھا۔

ایک دن یہاں باورچی خانے میں برتن دھوتے ہوئے مجھ سے ایک مگ ٹوٹ گیا تھا۔ انکل نے بہت زور کا تھپڑ مارا تھا مجھے۔ مجھے اکثر وہ تھپڑ تکلیف دیتا تھا۔ ایک مگ ہی تھا جو ٹوٹا تھا..... سچ کہوں تو اگر یہ تھپڑ نہ ہوتا تو ہو سکتا ہے، میں سب بھول بھال جاتی۔ تو جب میں یہاں آئی تو ارادہ تو اپنے گھر جانے کا ہی تھا لیکن یہ دروازہ کھلا ہوا تھا اور میں بے اختیار ہی اندر آ گئی۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں بتا رہی تھی۔

"لیکن تم نے غلط نام کیوں بتایا؟ بابا جان تو تمہارا نام بھی نہیں جانتے۔"

"میں اپنا نام نہیں چھپا رہی تھی۔ اصل میں اماں بتایا کرتی تھیں کہ ان کی بیٹی تھی فضہ نام کی جو بہت چھوٹی عمر میں فوت ہو گئی تھی۔ تو اس دن اچانک ہی یاد آ گیا۔ مجھے لگا اگر میں اپنا یہ نام بتا دوں تو یہ ایک طرح کا جذباتی دباؤ ہو گا۔ باقی اور کوئی بات نہیں تھی۔"

اس کے چہرے پر اب اضطراب کی جگہ سکون سا تھا۔ وجاہت حسن نے خود کو اتنا بے بس کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ دسترس میں آ سکتی تھی.. وہ اس کے سارے زخموں کا مرہم بن سکتا تھا۔ ذہن پتا نہیں کیا کیا تانے بانے بننے لگا تھا۔ ایک جال تھا جو اسے جکڑتا جا رہا تھا اور وہ کچھ کر نہیں پا رہا تھا۔

"تم نے کچھ سوچا ہے، تم کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"میں.. ابھی تو عدت ہے اور یوں بھی جاب اسی کی وجہ سے کی تھی۔ سب سے پہلے ریزائن کروں گی۔ بس ابھی تک اتنا ہی سوچا ہے۔"

وہ سادگی سے بتا رہی تھی اور وجاہت حسن کو لگ رہا تھا اس نے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی۔ اس کے چہرے پر نظر جمائے وہ کتنی ہی دیر دیکھتا رہا۔ گہری سانس بھر کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو نیچے چلتے ہیں۔"

☆☆☆

پچھلے قریباً دو گھنٹوں سے اسپیکرز پر ایک ہی گانا چل رہا تھا اور وہ بیڈ پر پیر لٹکائے لیٹا ہوا گزرے چھ سالوں کو سوچ رہا تھا۔ انیہ پہلی نظر کا فیصلہ تھی اور اس ایک نظر کی پاس داری کے لیے اس نے چھ سال گزار دیے تھے۔ وہ باقی زندگی بھی گزار سکتا تھا اگر آئرہ آ کر اس کے پیپی اینڈنگ والے خواب کو تہس نہس نہ کر دیتی۔ انیہ کے ساتھ گزرے سال اس کے ذہن کے پردے پر فلم کی طرح چل رہے تھے اور اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ ایک بے روح تعلق کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

پتا نہیں کیوں کئی بار تو اسے لگتا شاید اس نے ہی اپنی ترجیحات تبدیل کر لی ہیں ورنہ انیہ شروع دن سے وہی تھی۔ اس نے کبھی کوئی دل گدگداتا لمحہ اس کی ہتھیلی پر نہیں رکھا تھا۔ اس کے لہجے میں کبھی بھی محبت کی حلاوت تھی ہی نہیں۔ وہ ایسی ہی تھی جیسی آج اور حیرت کی بات تو یہ تھی کہ اسے کبھی اعتراض بھی نہیں ہوا تھا... بدلا تھا تو وہ خود۔

چاچو سکندر کی شادی کر رہے تھے اور ہمیشہ کی طرح ماما کو اس کی شادی کی فکر پہلے سے زیادہ لگ گئی تھی۔ آج بھی جب وہ گھر آیا تو ماما اسی موضوع کو لے کر شروع ہو گئی تھیں۔

"وجی! بہت ہو گیا۔ تم ملواؤ اس لڑکی سے تاکہ ہم کوئی فیصلہ کر سکیں اور اگر تم خود فیصلہ کر چکے ہو، تب بھی اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کا تو سوچو۔"

سال ڈیڑھ سال پہلے جب ماما ہر تھوڑے دن بعد اپنے فون میں جمع کی ہوئی لڑکیوں کی تصاویر کھول

Watermarkly

کر بیٹھ جاتی تھیں تو انہیں حوصلہ دینے کے لیے اور چپ کروانے کے لیے اس نے انہیں بتایا تھا کہ لڑکی وہ پسند کر چکا ہے۔ وہ لڑکی کون ہے، کیا کرتی ہے اس کے بارے میں اس نے اس وقت کوئی بات نہیں کی تھی اور بعد میں بھی ان کے استفسار پر وہ ایک ہی بات کہتا آیا تھا۔

"ابھی میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔ جب کرنی ہوگی میں بتا دوں گا۔"

اس کی زندگی کی کہانی اس کے اپنے ہاتھ میں تھی اور وہ عرصہ ہوا، اس کا اختتام لکھ کر ایک طرح سے قلم توڑ چکا تھا۔ اس کہانی میں یہ کہیں بھی نہیں تھا کہ ایک دن اس کا دل بدل جائے گا اور وہ انیہ کو بالکل مائنس کر کے کسی اور کے بارے میں سوچنے لگے گا۔

"کیا بات ہے شہزادے.. کوئی روزوں کا احترام نہیں خوب گانے وانے سنے جا رہے ہیں؟"

وقار دروازے میں کھڑا کہہ رہا تھا۔ اسے شرمندگی ہو رہی تھی۔ ریموٹ پکڑ کر اس نے موسیقی بند کی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی وجاہت نے اسے فون کر کے بلایا تھا۔ کم از کم اس وقت وہی ایک بندہ تھا جو اس کی بات سن سکتا تھا، سمجھ سکتا تھا اور کوئی قابل عمل مشورہ دے سکتا تھا۔ جب تک ماما چائے کے لوازمات لے کر آئی، وہ اسے آدھی کہانی سنا چکا تھا۔

"تو اب تم کیا چاہتے ہو؟"

"انیہ چھ سال سے میرے لیے بیٹھی ہے.."

"چھ سال سے انیہ نہیں تم اس کے لیے بیٹھے ہو۔ اب آگے بتاؤ۔" چائے کا کپ منہ سے لگاتے ہوئے اس نے تصحیح کی۔

"یار! مجھے لگتا ہے میرا اور انیہ کے درمیان کبھی کچھ تھا ہی نہیں۔ یعنی میں اسے پسند کرتا تھا یا محبت کرتا تھا لیکن یار، پتا نہیں کیوں اب ایسے لگتا ہے جیسے اس تعلق میں کہیں کوئی خوشی نہیں تھی۔ یعنی اسے دیکھ کر اس کے ساتھ وقت گزار کر مجھے اچھا لگتا تھا لیکن.. مجھے لگتا ہے جیسے وہ سب نیک (مصنوعی) تھا۔ جیسے میں خوش ہونے کا ڈرامہ کر رہا تھا جبکہ درحقیقت میں خوش نہیں تھا اور میں ہی نہیں، وہ بھی خوش نہیں تھی۔ ہم کبھی دوسرے لوبرڈز کی طرح ایک دوسرے کے لیے نہ کبھی جذباتی ہوئے اور یار..... مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ بالکل بے روح تعلق لگ رہا ہے انیہ کے ساتھ۔ میں مان لیتا ہوں ہمیشہ ایسا نہیں تھا.. اگرچہ شروع سے ایسا ہی تھا لیکن میں مان لیتا ہوں ایسا نہیں تھا۔ اب مگر ایسا ہی ہے۔ مجھے نہیں لگتا ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے سوٹ ایبل ہیں۔ میں آئرہ جیسی لڑکی کے ساتھ خوش رہ سکتا ہوں۔"

الجھی الجھی بے ترتیب باتوں کے بعد وہ خاموش ہو گیا تھا۔

"آئرہ جیسی یا آئرہ کے ساتھ؟"

گہرا سانس لے کر اس نے وقار کا چہرہ دیکھا اور چند ثانیہ سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "آئرہ کے ساتھ۔"

"تو پھر مسئلہ کیا ہے؟"

"مسئلہ میری کمٹمنٹ ہے۔ اتنے سال اسے اس دھوکے میں مبتلا رکھا۔ آئی ایم فیلنگ گلٹی۔"

"مسئلہ پتا کیا ہے، یہ جو ہم لوگ ٹی وی سیریل دیکھتے ہیں، موویز دیکھتے ہیں یا کالج یونی ورسٹی میں دوستوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں... ہر ہر جگہ محبت کی بات ہوتی ہے۔ ہم موقع کی تلاش میں رہتے ہیں کہ کب ہم بھی محبت میں مبتلا ہوں گے۔ یوں کہہ لو کہ یہ جو نوجوانی کی محبت ہے.. یہ ایک طرح سے اس عمر کی تھرل ہے۔ ہم حقیقی طور پر محبت کرتے ہی نہیں۔ تمہیں انیہ اچھی لگی اور تم نے اس کی طرف پیش قدمی کی۔

اب اس بندی کے پاس تمہیں اختیار تھا وہ تمہیں مسترد کر سکتی تھی لیکن اگر تمہیں قبول کرنے کی وجہ نہیں تھی تو تمہیں مسترد کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں تھی۔ مجھے ایسے لگتا ہے جیسے اس نے تمہیں ایک آپشن کی طرح سنبھالا ہوا ہے کہ اگر تم سے بہتر مل

جائے تو ٹھیک ورنہ تم تو موجود ہی ہو۔ اب اگر تمہیں لگتا ہے کہ تمہارا یہ تعلق بے روح ہے یا شروع سے رہا ہے تو ظاہر ہے کہ تمہارا یہ تعلق بے روح ہے یا شروع سے رہا ہے تو ظاہر ہے کہ تمہاری ہاں کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ تمہاری کوئی حقیقی نکاح نہیں ہوا۔ لوگ شادیاں توڑ دیتے ہیں۔"

وجاہت کو آئرہ کی بات یاد آئی کہ ابتسام نے اسے اس لیے طلاق دی تھی کہ وہ کسی اور سے محبت کرنے لگا تھا۔

"یوں بھی تم نے بہت انتظار کر لیا۔ اب اگر وہ لڑکی ہماری زندگی ایک لبرل فیمنسٹ بن کر گزارنا چاہے تو تم تو اس کے لیے عمر بھر نہیں بیٹھے رہو گے۔ ہاں ایک بات ہے کہ تمہیں ایک بار ساری فیفیز ایک طرف رکھ کر غیر جانب داری سے سوچنا چاہیے کہ تم کیا چاہتے ہو؟ تمہارا دل کیا چاہتا ہے۔ اگر تم آئرہ کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہو تو انیہ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔"

وہ جانتا تھا وہ کیا چاہتا ہے اور اس کا دل کیا چاہتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اندر کہیں وہ فیصلہ کر چکا ہے۔ بس انیہ کے ساتھ زیادتی نہ ہو اس گلٹ نے اسے وقتی طور پر روک رکھا ہے۔ اس وقت بڑی شدت سے دل میں آئرہ کو دیکھنے کی خواہش اٹھی تھی۔

☆☆☆

مٹھی میں جگنو سما جانے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ کوئی اس وقت انیہ سے پوچھتا۔ اس نے اپنے پورے سسٹم سے ٹکر لے کر، زندگی کو اس طرح گزارنے سے انکار کر دیا تھا جیسے اسے باحول دیا جا رہا تھا۔ کون کہہ سکتا تھا لوئر مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والی انیہ اپنی محنت کے بل بوتے پر اس وقت ایک غیر ملکی سیمینار میں اس طرح سے سراہی جائے گی۔ اپنی تعریف کسے بری لگتی ہے سو وہ بھی خوش تھی جب اسے ٹریڈیشن بریکر کہا گیا اور پاکستان کا روشن مستقبل کہہ کر پکارا گیا۔ اس کی کڑی محنت رنگ لے آئی تھی۔ نہ صرف وہ اپنی ماں کے لیے فخر تھی بلکہ پورے معاشرے کے لیے ایک مثال کی طرح دیکھی جا رہی تھی۔ اپنی اس کامیابی پہ وہ بے حد مسرور، سیاہ لباس میں جگمگاتے سراپے کے ساتھ ہوٹل کے لیے نکلنے والی تھی جب اپنے نام کی پکار پر اسے رکنا پڑا۔

"مس انیہ۔"

وہ پیچھے مڑی۔

"کیا آپ سے ملاقات ہو سکتی ہے؟" یہ دیم عباسی تھا جس سے کچھ دیر پہلے ہی اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ کمپنی کی مصر میں جتنی برانچز تھیں یہ ان کا ہیڈ تھا۔ اس کی ساحر شخصیت نے اسے پہلے ہی خاصا متاثر کیا تھا۔ اس کی ذات میں ایک ایسا رکھ رکھاؤ تھا جیسے کسی شاہی خاندان سے تعلق ہو۔ انگلیوں میں دبے سگار اور وجود سے اٹھتی کلون کی مہک دیوانہ کر دینے کی حد تک حواس پر چھائی جا رہی تھی۔

"ملاقات ہو بھی چکی اور میرا خیال ہے اسے بھی ملاقات ہی کہتے ہیں۔" وہ خوش دلی سے گویا ہوئی۔ اس کا شوخ لہجہ اس کی اندرونی خوشی کی عکاسی کر رہا تھا۔

"نہیں یہ نہیں۔ یہ تو ایک آفیشل ورک تھا۔ میں چاہتا ہوں کہیں پرسنلی مل کر بیٹھتے ہیں۔ کھانا وغیرہ کھاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔"

انیہ بچی نہیں تھی کہ اس کی بات کا مطلب نہ جان سکتی۔ ایک لمحے کے لیے، اس نے انکار کرنے کا سوچا لیکن اسے خود بھی حیرت ہوئی جب اس نے اس پیشکش کو قبول کر لیا۔

"میں یہاں دو دن مزید ہوں۔ کل لنچ پہ ایک میٹنگ ہے، اس کے علاوہ سارا وقت فری ہوں۔"

"تو بس پھر کل ڈنر پہ ملتے ہیں۔ آپ اپنا ہوٹل بتائیں، میرا ڈرائیور آپ کو پک کرنے آ جائے گا۔"

تفصیلات طے کرتے فون نمبرز کے تبادلے ہوئے اور وہ ہوٹل کی جانب سفر کرتے سوچ رہی تھی کہ وہ کیا شے تھی، جس نے اسے اس شخص کو انکار کرنے سے روک دیا اور اندر کہیں یہ بھی سوچ تھی کہ وہ اسے انکار کرتی ہی کیوں؟

وجاہت حسن کی وجہ سے انکار کرنے کا کوئی

Watermarkly

تک نہیں بنتا تھا۔ وہ اپنی پرواز بلند رکھنا چاہتی تھی اور پتا نہیں کیوں، اس کے دل میں یہ خیال بڑی شدت سے پختہ تھا کہ وجاہت حسن اس کے پر نہیں بنے گا بلکہ وہ اس کے پیروں میں زنجیر بن جائے گا۔

وہ مانتی تھی کہ اپنی محبت میں وہ یک طرفہ نہیں تھا۔ بہت بار ایسا ہوا کہ اس نے بھی وجاہت حسن کو دل کے قریب محسوس کیا تھا لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کے لیے وہ اپنی قسمت کے دروازے خود پہ بند کر لیتی۔ اس نے ہمیشہ ہر شے پر پر کامیابی کو ترجیح دی تھی۔ اب بھی اس نے یہی کیا تھا۔

یہاں اس نے خود کو ایک اور رعایت دے لی تھی کہ اس نے کبھی وجاہت کو امید نہیں بندھائی تھی بلکہ وہ تو صرف ردعمل دیا کرتی تھی۔ اپنا دامن آسانی سے چھڑایا جا سکتا تھا۔

ویسے بھی وہ اچھا سمجھے یا برا، اسے کیا فرق پڑنے والا تھا۔ وسیم عباسی کی جادوئی شخصیت کے سامنے وجاہت حسن کو رکھنا گویا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف تھا۔ اسے اپنی زندگی میں بہترین کی خواہش اور حصول کے لیے کوشش کا حق حاصل تھا اور وہ یہ کوشش کرنا چاہتی تھی۔

ہوٹل کے پرتعیش کمرے میں سونے کے لیے لیٹتے ہوئے دل، میں اتنی ساری سوچوں میں ایک سوچ یہ بھی تھی کہ وہ کیوں اتنی آگے کا سوچ رہی ہے؟

☆☆☆

آئرہ باورچی خانے میں افطاری کی تیاری کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ پسینہ پسینہ ہوتا ذرا دور سے چمکتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بابا جان کے ساتھ مختصر لان میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہوا تو نہیں تھی لیکن موسم کھلا کھلا سا تھا اور یہاں تازہ ہوا میں پیڑوں کی سنگت میں بڑا خوش گوار سا احساس جاگتا تھا۔

بابا جان اس کے اس طرح اچانک آنے پر حیران ہوئے تھے۔ وہ چار ماہ بعد آیا تھا۔ لیکن وہ خود کو وقت دینا چاہتا تھا۔ اسے خود بھی اندازہ تھا کہ ایسا ہی ہو گا۔ یہ سب کچھ اس پر گزر رہا ہے یہ ذہنی کیفیت ہے یا دلدل ہے۔ اس سے نکلا جا سکتا ہے یا اسی میں غرق ہونا ہے۔ یہ محبت ہے یا ترحم۔ دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ جو بھی نام دے لے، جو بھی کہہ لے زندگی اس کی قربت ہے۔ خوشی اس کی موجودگی ہے اور راحت اس کی ہنسی ہے۔

"رمضان کا آخری عشرہ شروع ہونے والا ہے انکل! آپ نے ابھی تک کپڑے نہیں بنوائے۔"

افطاری کے لیے میز تیار کر کے اب وہ ان کے پاس بیٹھی پوچھ رہی تھی۔

وجاہت نے ابرو اچکا کر ان کی طرف دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو، دیکھ لیں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا تھا۔

"اس عمر میں کیا فرق پڑتا ہے، میں کیا پہنتا ہوں کیا نہیں۔ نیا لباس پہنوں یا پرانا، مجھے کس نے دیکھنا ہے۔"

ان کے لہجے میں محض ایک خالی پن تھا۔ آئرہ کو یاد تھا آنٹی کی زندگی میں وہ کیسے ٹپ ٹاپ سے رہا کرتے تھے۔ وہ سوچا کرتی تھی جو شخص ادھیڑ عمری میں اس قدر شان دار دکھائی دیتا ہے اس کا بڑھاپا بھی یقیناً بہت باکمال ہو گا لیکن انہیں اس طرح دیکھ کر اسے جو تکلیف ہوئی تھی، وہ بیان نہیں ہو سکتی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو لگا تھا جیسے سارے الفاظ کھو گئے ہوں اور وہ کچھ کہنے کے قابل نہ رہی ہو۔

"سب کچھ دوسروں کے لیے تو نہیں کیا جا سکتا ناں۔ ہم جو پہنتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں.. دراصل ہم اسے محسوس کرتے ہیں بلکہ یہی نہیں دوسروں کی قربت کو بھی محسوس کرتے ہیں۔ اردگرد جیسے لوگ رہیں گے ہم ویسا ہی محسوس کریں گے۔ عید تو نام ہی خوشی کا ہے اور اگر اس خوشی کے لیے آپ نیا لباس پہنیں گے تو آپ اچھا محسوس کریں گے اور آپ کو دیکھ کر ہمیں بھی اچھا لگے گا۔"

اس نے بے دھیانی میں "ہمیں" کہہ دیا تھا۔ انہوں نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ وجاہت نے پچھلی بار جانے سے پہلے انہیں بتا دیا تھا کہ اس کے

ذہن میں اسے طلاق دے دی ہے اور پھر اب اس کا ذکر نہیں کچھ اور ہی کہانی سنا رہا تھا اور اب اس کے لبوں پر وجاہت کے لبوں پر جو ایک مبہم سی مسکراہٹ ابھری تھی۔ جیسا ان کے ذہن میں ابھرا تھا اگر ایسا تھا بھی تو کیا برائی تھی؟

"ہم... ایسا کرو، تمہیں عید کے لیے کچھ خریداری کرنی ہو تو وجاہت سے کہنا، تمہیں بازار لے جائے گا۔ میں اب جا کر لیٹنے لگا ہوں۔ تم لوگ خریداری کر لینا۔ میں تھوڑی دیر میں کھانا کھاتا ہوں۔"

آئرہ کے ساتھ ساتھ وجاہت بھی ان کی بات پر حیران ہوا تھا۔ اس نے انہیں بتایا تو تھا کہ اس کی طلاق ہو گئی ہے۔

رات کھانے کے بعد یہی بات اس نے ان سے کی تو انہوں نے تحمل سے اسے جواب دیا تھا۔

"طلاق ہی ہوئی ہے کوئی مر نہیں گیا۔ تمہیں پتا ہے دنیا زندگی میں سب سے بری شے کیا ہے؟ تنہائی.. وہ اس وقت اکیلی ہے۔ سر پر کسی اپنے کا سایہ نہیں۔ کوئی ہم عمر بہن بھائی یا سہیلی نہیں۔ وہ مر جائے گی۔ اس کی عمر کم ہے، اس روگ کو پالنے کے لیے۔ اسے احساس ہونا چاہیے کہ زندگی ختم نہیں ہوئی ہے زندگی کا ایک باب ختم ہوا ہے۔"

وہ جو کہنا چاہتے تھے، کہہ سکے یا نہیں لیکن جو وہ سمجھانا چاہتے تھے، وجاہت سمجھ گیا تھا۔

☆☆☆

سانپ کی طرح بل کھاتی لمبی چمکتی سڑک کے کنارے چلتے انیہ کے اندر اندھیرے ہی اندھیرے تھے۔ سڑک پر ٹریفک رواں دواں تھی۔ وہ کافی دیر سے بے سمت پیدل چل رہی تھی اور اب اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے ہی بے سمت چلتی رہی ہے۔

جس وقت اس کی عمر کی لڑکیاں آنکھوں میں محبت کی پٹی باندھے تتلیوں کے تعاقب میں نکلتی ہیں یا کسی اندھے کنویں میں اترنے لگتی ہیں وہ مضبوطی سے جم کر اپنے ایک خواب کی تعبیر کے لیے کوشاں رہی۔ اسے اپنا مستقبل بنانا تھا۔

اپنی جانب بڑھتے ہاتھوں کو دھتکارتے اس نے وجاہت حسن جیسے سچے اور مخلص شخص کے ساتھ بھی اپنے بوجھ نہیں بانٹے۔ وجاہت کی سوچ پر اس کے ہونٹوں پر بڑی زہر خند مسکراہٹ آئی تھی۔ ابھی کل ہی کی تو بات ہے اس نے خود ہی اس شخص کو میسج کر کے کہا تھا کہ وہ اس کا انتظار نہ کرے، وہ اپنے فیصلے کرنے میں آزاد ہے اس نے وجاہت حسن کو مسترد کر کے نئے افق تلاشنے کی خواہش کی تھی۔

وسیم عباسی کے ڈرائیور کے آنے تک وہ جھلملاتے سرخ رنگ کے ملبوس میں بنک سک سے تیار کسی شہزادی کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ گزرے سالوں میں اس نے خود کو سنوارنے کا جو ہنر سیکھا تھا آج پورے کا پورا، خود پر آزما لیا تھا اور آئینہ کہتا تھا کہ اگر آج کی رات فیصلہ کن رات ہو تو دنیا کی کوئی شے اسے مات نہیں دے سکتی۔ ہوٹل کی لابی میں وہ اس کا ہی منتظر تھا۔ شہر کے مہنگے ترین ریستوران کے خوابناک ماحول میں کھانا کھانے کے بعد وہ فوراً ہی وہاں سے نکل آئے تھے۔

"میں کچھ دیر آپ کے ساتھ تنہائی اور پرسکون ماحول میں گزارنا چاہتا ہوں.. اگر آپ کو اعتراض نہ ہو۔"

اور اسے اعتراض کیسے ہو سکتا تھا؟ کم از کم اس وقت تک تو اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ اسے لے کر اپنی عارضی سکونت کے ٹھکانے پر آ گیا تھا۔ ہوٹل کا یہ پرتعیش اور شان دار سوئٹ اس کے اعلیٰ ذوق کا مظہر تھا۔ جانے کیوں اس آرام دہ ماحول میں وہ بہت بے آرام ہونے لگی تھی۔ کانچ کے گلاسوں میں سنہری مشروب انڈیل کر اس نے ایک گلاس اس کی جانب بڑھایا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔

"سوری آئی ڈونٹ ڈرنک۔"

کندھے اچکا کر اس نے اپنا گلاس لیا اور اس

Watermarkly

کے برابر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد ہونا تو بہت برا چاہئے تھا۔ وہ بنا سوچے سمجھے جو حرکت کر بیٹھی تھی اس کے بعد برے سے برے انجام کی ذمہ داری بھی اسی کی بنتی تھی لیکن یہ اس کی خوش قسمتی کہ وسیم عباسی زور زبردستی کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔ انیہ نے اپنا جسم بچالیا تھا لیکن اس شخص نے اس کی روح تک چھلنی کردی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، میں نہیں جانتا ایک خوب صورت اور جوان لڑکی اس مقام تک کس کس کی "محنت" سے پہنچی ہوگی؟"

پگھلا ہوا سیسہ تھا جو اس کے کانوں میں انڈیلا گیا تھا۔

"جس آسانی سے تم میرے ساتھ آنے کے لیے تیار ہوگئی تھیں اس کے بعد یہ سب کیا قیمت بڑھانے کے لیے ناز نخرے ہیں؟ میرے ساتھ ڈیل کرو، میں تمہیں آسمان کا سب سے درخشاں ستارہ بنا دوں گا اور یہ میں صرف کہہ نہیں رہا، تم اچھی طرح جانتی ہو۔ میں تمہیں تمہاری مرضی کے ملک میں سیٹل کروا سکتا ہوں اور جو جو کہو گی تم چاہو۔"

اس کے بالوں کو چھوتے ہوئے مخمور لہجے میں وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا لیکن انیہ کے لیے بہتر یہی تھا کہ کان بند کرلے، ورنہ ایک عرصہ ان سب لفظوں نے بچھو بن کر اسے کاٹنا تھا۔ اتنے سالوں کی پاکیزگی کس نے دیکھی تھی؟ اس نے کبھی کسی سے ہاتھ تک نہیں ملایا تھا، بلکہ یہ ہاتھ تو کیا اس نے تو لہجے میں بھی مٹھاس نہیں سموئی تھی۔ اپنے پندار کی کرچیاں سمیٹتے وہ وہاں سے نکل آئی تھی۔

"مان بھی لوں کہ تم یہاں تک اپنی صلاحیت کے بل پر آئی ہو تو ایک بات کی یقین دہانی کروادوں زیادہ دیر یہاں ٹک نہیں سکو گی۔ میں نہیں تو کوئی اور ہوگا اور ہر شخص میری طرح اصولوں پر چلنے والا نہیں ہوتا۔"

بار بار وہی باتیں سوچ کے اس کا سر پھوڑے کی طرح دکھنے لگا تھا۔ شل ہوتے وجود کے ساتھ پیروں نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا تو وہ وہیں فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی۔ کندھے سے لٹکتے بیگ کو اتار کر قریب رکھا تو اس میں پڑے فون کا خیال آیا۔

حبہ کا نمبر ملاتے اس کے ذہن میں صرف یہ تھا کہ شاید وہ بہتر محسوس کرے، لیکن وسیم عباسی کی اوچھی حرکت اور پیشکش بتانے کے بعد اسے حیرت ہوئی تھی جب اس نے بڑے عام سے انداز میں اس کا ردعمل پوچھا۔

"پھر تم نے کیا جواب دیا؟"

کیا یہ بات پوچھنے والی تھی کہ اس نے کیا جواب دیا ہوگا۔ "وہی جو دینا چاہئے تھا۔ میں خود اگر یہاں تک پہنچ سکتی ہوں تو مجھے سیٹل کرنے کے لیے بھی کسی کی ضرورت نہیں۔"

"چیزیں ایسے کام نہیں کرتیں انیہ! تم نہیں جانتیں اس بندے کو..."

"تم جانتی ہو؟" اس نے بے صبری سے بات کاٹی تھی۔ حبہ نے ہی اسے یہاں اس کمپنی میں جاب کے لیے بھیجا تھا۔ ایک مشکل ترین انٹرویو کے بعد وہ اپنی اہلیت کے بل بوتے پر آگے بڑھتی گئی تھی۔

"ہاں۔ میں جانتی ہوں اور شاید ہی کوئی ایسے جانتا ہو جیسے میں جانتی ہوں۔ میری بات سنو انیہ! وہ ٹھیک کہہ رہا ہے، وہ تمہیں آسمان کا سب سے روشن ستارہ بنا سکتا ہے اور ایک بات تمہیں میں بھی بتانا چاہوں گی کہ قسمت کا ستارہ ہر وقت عروج پر نہیں ہوتا۔ آج اگر اس نے تمہیں یہ کہا ہے تو ہوسکتا ہے کل تم اسے کہو ... لیکن تب تک وقت بدل چکا ہوگا۔ جذباتی ہونے کے بجائے ٹھنڈے دل سے سوچ کر فیصلہ کرنا۔"

انیہ کو اپنے کانوں پہ اعتبار کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ آتی جاتی گاڑیوں کی لائٹس کے پیچھے بھاگتی نگاہ کہیں خلا کے پار رک گئی تھی۔ یہ حبہ تھی.. وہ حبہ جسے لڑکوں سے انتہا کی نفرت تھی۔ اس کے بارے میں طنزیہ طور پر "پکی فیمینسٹ" کہا جاتا تھا اور اسے بھی اعتراض نہیں ہوا تھا۔ وسیم عباسی کے بعد حبہ کا رویہ

اس کے لیے ایک ہی دن میں دوسرا اشاک تھا۔

"مجھے یقین نہیں ہو رہا، یہ تم مجھ سے کہہ رہی ہو۔"

"ایک بار مجھ پر بھی ایسا وقت آیا تھا لیکن میں نیپوٹزم کے چکر میں گنوا بیٹھی۔ انیہ اوپر جانے کے لیے سیڑھیوں کی ضرورت نہ بھی پڑے تو ایک جگہ رکنے کے لیے سہاروں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ورنہ دوسرے لوگ آپ کو دھکا دے کر نیچے گرا دیتے ہیں اور آپ کی ساری محنت اکارت چلی جاتی ہے۔ وہ بندہ انٹی مین نیچر کا ہے کہ اگر تم نے اسے انکار کردیا ہے تو تار رہو، کل کا دن تمہارے لیے کیا لے کر آتا ہے۔ وہ تمہیں واپس نہیں آنے دے گا یہاں تک کہ تم مجبور ہو کر خود اس کے پاس جاؤ گی اور پھر تمہاری تذلیل کے بعد بھی یہی کچھ ہوگا۔"

اس کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا اٹھی تھی۔ حبہ جیسے کسی اندھے کنویں سے بول رہی تھی۔ ایک دم انیہ کو اس کی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہونے لگی تھی۔

"تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے؟ اور تم کہاں ہو؟"

☆☆☆

بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر مہندی اور چوڑیوں کے ساتھ گلاب اور بیلے کے گجرے پڑے تھے۔ ان کی خوشبو شام جاں معطر کرتی کہیں روح میں بسیرا کرنے کی سعی کر رہی تھی۔ بستر پر کتاب ہاتھ میں لیے آئرہ کی نگاہ ان چیزوں سے ہٹ نہیں رہی تھی تو کتاب کیسے پڑھی جاتی۔

وجاہت کی اتنی کوششوں کے بعد بھی وہ اس کے ساتھ عید کی شاپنگ پر جانے کے لیے راضی نہیں ہوئی تھی۔

"مجھے کچھ چاہئے ہوگا تو مجھے بازار کا راستہ آتا ہے۔" وہ بھی ضد کی پکی تھی۔

آج چاند رات تھی۔ شہر در شہر رونقیں ہوں تو ہوں اس کی قسمت میں اندھیرے تھے سو کمرے میں اندھیرا کیے وہ لیٹی ہوئی تھی جب وہ ایک بار پھر آ دھمکا۔

"تمہیں اپنے گھر میں کوئی کام نہیں ہے؟"

"میرے گھر میں صرف میں نہیں رہتا۔ جو رہتے ہیں وہ کر رہے ہیں کام۔ چلو آؤ۔ کہیں باہر چلتے ہیں۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے میرا نہیں۔ گھڑی دیکھ رہے ہو؟ جاؤ یہاں سے۔ میں کہیں نہیں جا رہی۔"

"کچھ نہیں خریدیں گے بس باہر کا ایک چکر لگا کر آتے ہیں۔"

کتنی مزاحمت کی جاسکتی تھی؟ اس نے انکل کو طلاق کا خود بتایا تھا اور نوکری چھوڑنے کا بھی۔ طلاق والی بات پر کوئی تبصرہ کیے بغیر انہوں نے اس کی نوکری چھوڑنے والی بات کو سراسر حماقت قرار دیا تھا۔

"رزق چل رہا ہے چلنے دو۔ یوں بھی اکیلی ہو۔ گھر بیٹھی رہو گی تو سوچیں چاٹ جائیں گی۔ باقی جیسے تمہاری مرضی۔ میں تو اسے بے وقوفی ہی کہہ سکتا ہوں۔"

بات تو ان کی بھی ٹھیک ہی تھی۔ نئی جگہ پر نوکری کے سو جھمیلے تھے لیکن جیسے ہی وہ گھر پہنچتی، ایک بار پھر رائیگاں کا دکھ آنکھ سے پانی بن کر بہنے لگتا۔ اب تو ویسے بھی کتنے دنوں سے وہ گھر ہی تھی۔ سوچ تو یہ بھی تھا کہ وہ خود اس ماحول سے کچھ دیر کے لیے نکلنا چاہتی تھی۔ شاید دنیا کے کسی ہنگامے میں وہ خود کو کھو دے تو سارے درد ختم ہو جائیں۔

باہر عید کی گہما گہمی تھی۔ چاند رات پورے عروج پر تھی۔ بازاروں میں کپڑے، جوتے اور دوسری اشیائے ضروریہ کی دکانوں پر رش لگا ہوا تھا۔ بارونق بازاروں سے ہوتے ہوئے وہ اسے لے کر رنگ روڈ کی طرف چلا گیا۔ گاڑی کے پرسکون ماحول میں دھیمی آواز میں کوئی بڑی پیاری دھن گونج رہی تھی۔

اپنی اپنی جگہ دونوں ہی مختلف احساسات میں گھرے چاہ رہے تھے کہ سفر ختم نہ ہو لیکن مسافتیں

Watermarkly

کتنی ہی پیاری کیوں نہ ہوں جب تک منزلیں متعین نہ ہوں بے سود رہتی ہیں۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

گاڑی روک کر اسے اترتے دیکھ وہ ایک بار گھبرا گئی تھی۔ یہ کوئی رہائشی علاقہ تھا اور وہ بالکل نہیں جانتی تھی کہ وہ شہر کے کس گوشے میں موجود ہے۔

"یہ میرا گھر ہے۔ تھوڑی دیر میں واپس چلتے ہیں، مجھے بس ایک چھوٹا سا کام یاد آ گیا ہے۔"

وہ باقاعدہ منصوبہ بندی سے اسے یہاں تک لایا تھا۔ لہجہ سرسری بناتے وہ لڑکا اتنا بڑا جھوٹا لگ رہا تھا کہ گم حواسوں کے ساتھ بھی آئرہ نے محسوس کر لیا تھا۔ "میں یہیں انتظار کروں؟"

"پاگل ہو؟ اندر میری ماما ہیں، میری بہن ہے۔ تمہیں کوئی کھا نہیں جائے گا بلکہ الٹا تمہیں کچھ کھلا کر ہی بھیجیں گے۔"

بادل نخواستہ وہ بھی گاڑی سے اتر کر اس کے پیچھے اندر چلی گئی۔

عید کی تیاریوں میں مگن ماما اسے دیکھ کر بہت حیران ہوئی تھیں۔ وجاہت نے جب اپنی پسند کا بتایا تھا تو انہیں یقین نہیں ہوا تھا لیکن پھر اس کے بعد اس کی ٹال مٹول سے وہ عجیب احساسات سے دوچار ہوئی تھیں۔ انہیں لگتا تھا کہ شاید انہیں ٹالنے کے لیے اس نے جھوٹ کہا ہے، اتنی بار کہنے پر بھی وہ اس لڑکی کے بارے میں کچھ بتانے پر راضی نہیں تھا اور اب اچانک اسے گھر لے آیا تھا۔ جھینپی جھینپی اور کچھ کچھ خوفزدہ آئرہ انہیں پہلی نگاہ میں پسند آئی تھی ورنہ وہ سوچتی تھیں جانے کیسی لڑکی ہو جسے وجاہت نے پسند کیا ہے۔ ماہا نے تو دوستی گانٹھنے میں ذرا دیر نہیں لگائی تھی۔ تھوڑی سی دیر میں ہی وہ اسے اپنے کمرے میں لے گئی تھی۔

"کوئی نہیں آئے گا یہاں.. بھائی کے علاوہ۔" وہ شوخ ہوئی۔ "آپ نقاب کھول لیں اور ایزی ہو کر بیٹھ جائیں۔"

نقاب کی پنیں اتار کر وہ بیگ میں رکھنے لگی۔ ابھی وہ اس کی شوخی کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس کی اگلی بات پر وہ سن ہو گئی تھی۔

"بھائی سے پہلی بار آپ کہاں اور کیسے ملی تھیں؟ بھائی نے تو آج تک کچھ نہیں بتایا سوائے اس کے کہ آپ ان کی زندگی میں موجود ہیں۔"

آئرہ کو جھٹکا لگا تھا اس کی بات پر۔ وہ اسے کیا سمجھ رہی تھی۔ "میرا خیال ہے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"کیا مطلب غلط فہمی؟" اپنے شاپنگ بیگز اور جانے کیا کیا اس کے آگے ڈھیر کرتی وہ رک کر اس کی چہرہ دیکھ رہی تھی۔ "بھائی نے آنے سے پہلے فون کیا تھا کہ وہ آپ کو لے کر آ رہے ہیں۔ سچ کہوں تو جب سے بھائی نے بتایا کہ وہ کسی کو پسند کرتے ہیں۔" محبت کا لفظ اس نے جس طرح روکا تھا، آئرہ پہلو بدل کر رہ گئی تھی۔ "ہم لوگ انتظار ہی کر رہے تھے کہ کب وہ ہمیں آپ سے ملوائیں۔ آپ کو پتا ہے ہماری فیملی بہت اوپن مائنڈڈ ہے۔ ماما کو آپ پسند نہ بھی آتیں تو وہ کبھی اس رشتے سے منع نہ کرتیں۔ پتا نہیں بھائی نے آپ کو ملوانے میں اتنے سال کیوں لگا دیے۔ آپ بھائی کے ساتھ پڑھتی تھیں ناں؟"

آئرہ جتنی دیر وہاں رہی دھڑکنوں کو سنبھالنے میں لگی رہی۔ پتا نہیں وہ لڑکا کیا کر رہا تھا۔ اس کی ماما نے اس سے مل کر بہت خوشی کا اظہار کیا تھا۔

"بھئی۔ ہماری چاند رات تو اب ہوئی ہے، جب یہ چاند ہمارے گھر میں نکل آیا ہے۔"

ان کا والہانہ انداز دیکھ دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہو رہا تھا۔ چاہ کر بھی وہ ان کی غلط فہمی دور نہیں کر پائی کہ یہ اس شخص کی کارستانی تھی جو ان کی محبتوں کے مظاہرے اور آئرہ کے جھینپنے سے لطف انداز ہوتا زیر لب مسکرا رہا تھا۔ اس گھر میں داخل ہوتے وقت وہ جتنا ڈری ہوئی تھی یہاں سے اس سے زیادہ محبت سمیٹ کر لے جا رہی تھی۔

اصولاً اسے وجاہت سے پوچھنا چاہیے تھا کہ اس نے اپنے گھر، اس کے بارے میں کیا کہا تھا لیکن

ایک دھڑکا سا لگا ہوا تھا۔ اسے گھر چھوڑنے [illegible] وجاہت نے اس کے لیے چوڑیاں، مہندی [illegible] کے لیے تھے۔

"پلیز۔"

"جہاں اتنی بڑی خوشی دی ہے تو میری چھوٹی [illegible] کے لیے رکھ لو۔"

اس کا لوبنا لہجہ اور نگاہوں کی تپش کچھ بھی کہنے سے روک رہی تھی اور وہ رک گئی تھی۔

☆☆☆

دل اس کی طلب میں بے تاب ہے رہتا
وہ چاند جو آنگن میں اترتا بھی نہیں ہے
اس عمر کے صحرا سے تیری یاد کا بادل
ہٹتا بھی نہیں اور برستا بھی نہیں ہے

کچھ چیزیں واقع ہونے میں اتنا وقت لگا دیتی ہیں کہ ان کی چاہت کے دیپ جو دل میں خون سے جلتے ہیں وہ بجھ جاتے ہیں۔

کمرے میں تیز موسیقی کے شور میں میز کے سامنے بیٹھے وجاہت کے لیے بھی وہ لمحہ آ گیا تھا جس کی خواہش میں ایک عمر اس نے انتظار کیا تھا۔

انیہ اس کے سامنے بیٹھی تھی اور زندگی میں پہلی بار وجاہت کو گوشت پوست سے بنی ایک عام لڑکی میں جنس کے احساسات ہوتے ہیں اور جو محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ایک بار تو وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ جیسے کسی گڑیا سے جیتی جاگتی لڑکی میں تبدیل ہوئی تھی۔ اس کے چہرے کے نئے ہوئے نقوش میں ایک نرمی اور ملاحت تھی۔ وہ مسکراہٹ تھی جو زخم بھر دینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

دوستوں کے ساتھ ایک چھوٹی سی عید ملن پارٹی کے لیے وہ اسلام آباد گیا ہوا تھا جہاں اسے انیہ کا فون آیا تھا۔ وہ جس دن اسلام آباد کے لیے نکل رہا تھا اسی دن انیہ نے اسے بتایا کہ وہ پاکستان واپس آ چکی ہے۔ اس کا آفیشل ٹرپ تو غالباً دو ماہ کا تھا لیکن ابھی ایک مہینہ بھی پورا نہیں ہوا تھا۔ جلدی جلدی ممی ڈاکٹ سے بات نہیں ہو سکی تھی اور اب وہ فون پر کہہ رہی تھی۔

"مجھے تم سے ملنا ہے۔ کب تک مل سکتے ہو؟"

یہ ایسے ہی تھا جیسے سورج مغرب سے نکل آئے۔ ہمیشہ وہ ملاقات پر اصرار کرتا تھا اور انیہ اپنی سہولت کے مطابق اسے ٹائم دے لیتی تھی۔ اگر کبھی ملنے کا کہتی بھی تو وہ یقیناً کسی کام سے ملنا ہوتا تھا لیکن اب کی بار اس کے لہجے میں ایک تپش تھی جو وجاہت کا خون جلانے لگی تھی۔ تو اس کا حیران ہونا بنتا تھا۔

اب وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی ایک بالکل مختلف لڑکی کے روپ میں تھی۔ وجاہت کو خود کو یقین دلانا پڑا تھا کہ یہ وہی لڑکی ہے جس سے وہ اتنے سال رابطے میں رہا ہے اور گاہے گاہے ملتا بھی رہا ہے۔ وہ جاب چھوڑ چکی تھی یہ ایک اور نئی خبر تھی۔

"میں اب اپنی زندگی میں سیٹل ہونا چاہتی ہوں۔ میں اب یہ باہر کے دھکے نہیں کھا سکتی مزید۔"

تو اگر یہ لمحہ کچھ عرصہ پہلے تک ان کے بیچ آیا ہوتا تو وہ خود کو دنیا کا خوش نصیب انسان سمجھتا لیکن اب بہت کچھ بدل چکا تھا۔ حتیٰ کہ اس کا دل بھی۔ اس کے اور انیہ کے درمیان ایک لمحہ آ کر ٹھہر گیا تھا۔

وہ لمحہ جب چاند رات کو آئرہ کو گھر چھوڑنے جاتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

"آئرہ! مجھ سے شادی کرو گی؟"

اس وقت سے پہلے ہی اس کا اور انیہ کا تعلق ٹوٹ چکا تھا یا شاید کبھی جڑا ہی نہیں تھا لیکن اب جب وہ آئرہ کی آنکھوں کو زبردستی اپنے خواب دے چکا تھا تو قدم پیچھے کھینچ لینا موت کے مترادف تھا۔

وہ خاموش تھا جیسے اس کی گویائی نہیں رہن رکھی ہو۔

انیہ نے زندگی کے سارے سبق بہت جلدی سیکھ لیے تھے۔ اس نے وجاہت حسن کو بھی پہلے ہی پڑھ لیا تھا یہی وجہ تھی کہ اس کی سچائی دیکھتے اس نے اسے اپنے پاس رکھا تھا۔

ٹھیک ہے زندگی کا ایک اہم سبق اس نے دیر

Watermarkly

سے سیکھا کہ اس معاشرے میں عورت کا مقام تب ہی معتبر ہو سکتا ہے جب اس کے نام کے ساتھ کسی مرد کا مضبوط حوالہ جڑا ہو۔

اس رات جب حبہ سے اس کی بات ہوئی تھی حبہ کے کہنے پر اس نے سب سے پہلے ہوٹل جا کر اپنا سامان لیا اور کسی کو بتائے بغیر پہلی فلائٹ پکڑ کر پاکستان واپس آ گئی تھی۔ گزرے دنوں میں اس نے استعفیٰ دے کر کمپنی سے جان بھی چھڑا لی تھی۔ اس کا خیال تھا وہ وجاہت سے شادی کا کہے گی، اسے نوکری سے استعفیٰ دینے کا بتائے گی تو وہ خوش ہو گا لیکن یہاں ایک خاموشی تھی اور یہ خاموشی اسے الجھن میں مبتلا کر رہی تھی۔

"میں شادی کے لیے تیار ہوں۔ جب لہو ہم شادی کر لیں گے۔"

پھر وہی وقت کی بے صبری..... کہیں یہ بات وہ پہلے کہہ دیتی.. لیکن نہیں کہی تھی اور اب اس بات کی وہ اہمیت بھی نہیں رہ گئی تھی۔

"میں تمہیں بتا دوں گا۔" کوشش کے باوجود وہ اپنے لہجے سے پریشانی کا عنصر غائب نہیں کر سکا تھا۔

"تم کچھ پریشان لگ رہے ہو، خیریت ہے؟"

اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ یہ لڑکی اس کی زندگی کا سب سے بڑا امتحان بننے والی ہے۔ اس نے سوچ رکھا تھا جب وہ اس سے ملے گا، اسے بتا دے گا کہ وہ اپنے لیے نئی راہ چن چکا ہے لیکن اب وہ جس طرح اس سے ملی تھی، اسے اپنے حواس ساتھ چھوڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ بڑی شدت سے اس نے خواہش کی تھی کہ کاش وہ پہلے جیسے ہی ہوتی بے نیاز اور سرد مہر۔

☆☆☆

سارے موسموں کا تعلق دل کے موسم سے ہوتا ہے، اس سے پہلے اسے معلوم نہیں تھا۔ عید کا دن توقع سے زیادہ گرم تھا۔ انکل اپنے کمرے میں قیلولہ کرنے [illegible] وہ بھی [illegible] لے کر بستر پر بیٹھ گئی۔ صبح سے کتنی بار رو چکی تھی وہ۔ اب بھی آنکھوں میں پانی آ رہا تھا۔ دھندلی نظر سے اس نے کھڑکی کے پار اسے دیکھا۔

جانے وہ کس وقت سے کھڑکی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نظر چرا کر اس نے دوپٹہ اوڑھا اور رسم دنیا نبھانے کے لیے عید مبارک کہہ کر اس کے لیے شیر خورمہ لینے باورچی خانے میں چلی گئی۔ وہ اس کے پیچھے ہی چلا آیا۔

تمہاری دید پہ آنکھوں کی عمر یاند نہیں ہم
تمہارے نام پہ دھڑکن چلے، اجازت ہے؟

دھیمے لہجے میں کہتے اس کی نگاہیں آئرہ پر رکی تھیں اور آئرہ کی دھڑکن رک گئی تھی۔ ہاتھ کانپے اور پیالی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

"بہت نکمی لڑکی ہو بھئی تم تو۔" وہ اندر چلا آیا۔ برخلاف توقع جواب نہیں آیا تھا۔

"اسی لیے کہتا ہوں، مجھ سے شادی کر لو، میں تو یہ چھوٹے موٹے نقصان برداشت کر سکتا ہوں۔ مجھے نہ کر کے میرا دل اور جانے کس کا گھر برباد کرو گی۔"

گزری رات اس نے پوچھا تھا "آئرہ! مجھ سے شادی کرو گی؟"

اور وہ "نہیں" کہہ کر گاڑی سے اتر گئی تھی۔ ابتسام کے بعد جو دل نے حد بندی کر دی تھی۔ اسے لگا تھا وہ ساری زندگی کسی پر اعتبار نہیں کر سکے گی لیکن یہاں تو جیسے اس کے بھی دل میں پہلے سے جگہ خالی تھی کہ وہ بنا دستک دیے دھڑلے سے آ کر براجمان ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود وہ اس کے جذبوں کی پذیرائی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ ایک طلاق یافتہ لڑکی تھی اور وجاہت حسن اتنا مکمل شخص تھا کہ وہ اس کے ساتھ گرہن کی صورت نہیں جڑنا چاہتی تھی۔

"اب تو میرے گھر والوں سے بھی مل چکی ہو تم اور میں تم پہ پہلے سے نثار ہو رہا ہوں۔"

وہ شوخ ہو رہا تھا اور اس کے اندر خاموشی تھی۔ دل جیسے سوگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ اسے بتا رہا

تھا کہ جو گزر گیا وہ راستہ تھا۔ ابھی بھی پھولوں کے موسم آ سکتے ہیں۔ وہ کتنا بکھری ہوئی تھی وہ چاہتی تھی کوئی خالص رشتہ اس کے پاس ہو۔ چاہے وہ ماں باپ، بہن بھائی کا ہو یا کسی محبت کا۔ آسرے کی ضرورت بڑی شدت سے تھی اور وہ شخص سہارا بن بھی رہا تھا۔ اس تپتی دوپہر میں دل کے آنگن میں ان گنت پھول کھلے تھے۔

جس بھری شام میں اس گھر سے اپنا سامان اٹھا کر نکلتے ہوئے اس نے خزاؤں کو پہلے سے زیادہ قوت سے خود پہ حملہ آور ہوتے دیکھا تھا۔ انکل پوچھ رہے تھے۔

"مجھے کوئی مسئلہ نہیں تم یہیں رہتی رہو۔"

وہ جانتی تھی جانے کتنے سالوں سے وہ اکیلے پن کے برزخ میں گرفتار تھے۔ وہ ان کی زندگی میں زبردستی داخل ہوئی تھی لیکن اپنے شوق کی تکمیل کے لیے اب کچھ پہلے جیسا کرتے ہوئے وہ انہیں گئے موسموں کی جانب جاتا راستہ دکھا گئی تھی۔ انہیں بتا گئی تھی کہ ابھی بھی ماضی کی کوکھ سے گلاب اگائے جا سکتے ہیں۔

آگ اگلتے سورج کے روپوش ہونے کے بعد ڈھلی شام میں جب وہ کرسی ڈالے بیٹھے تھے تو ان کے قدموں میں بیٹھ کر ان کا ہاتھ تھامے اس نے انہیں یاد کروایا تھا جب انہوں نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔

"فضہ نے جس لمحے میں آخری بار دودھ پیا تھا یہ وہ لمحہ تھا جو اس لڑکی سے ٹوٹا تھا۔"

فضہ ان کی چار سالہ وہ بیٹی تھی جو ایک حادثے میں جان سے چلی گئی تھی۔ انہیں وہ لمحہ یاد تھا، اس لمحے کا ٹوٹنا یاد تھا، یہاں تک کہ وہ تھپڑ بھی یاد تھا جو انہوں نے مارا تھا لیکن انہیں وہ لڑکی سرے سے ہی یاد نہیں تھی جس سے وہ لمحہ ٹوٹا تھا۔ انہیں وہ لڑکی یاد نہیں تھی لیکن انہیں اس لڑکی کا پتا تھا جو چاہتی تو گزرے زمانوں کو آواز دے کر واپس بلا سکتی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ رک جائے لیکن اب وہ وہاں نہیں رک سکتی تھی۔

وہ اب ان کی زندگیوں سے دور جانا چاہتی تھی۔ اس کا ضمیر گوارا نہیں کرتا تھا کہ وہ کسی بیل کو اکھاڑ کر اس کے پیڑ سے لپٹ کر زمین سے اٹھ کر خود کو مسلے جانے سے بچائے۔

اس روز انکل کی طبیعت خراب تھی تو وہ انہیں لے کر اسپتال گیا تھا۔ اس رات انکل نے اسے اپنے پاس ہی روک لیا تھا۔ وہ ایک اہم فون کال تھی جو وہ اس کے کمرے کے سامنے سے گزر کر کن من کن من پڑتی بارش میں فون لیے چھت پہ چلا گیا تھا۔ وہ پانی کا گلاس لینے باورچی خانے میں گئی تو بارش تیز ہونے پر وہ نیچے اتر آیا۔ باورچی خانے کی سال خوردہ کھڑکی کے سامنے فون کے اسپیکر سے کسی لڑکی کی آواز بارش کے مدہم شور میں بڑی واضح سنائی دے رہی تھی۔

"تم نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے وجاہت! چھ سال تک تم مجھ سے محبت کا کھیل کھیلتے رہے ہو اور اب اچانک تمہیں لگتا ہے کہ تم نے مجھ سے کبھی محبت ہی نہیں کی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں کیا کروں؟ تم نے کیوں کیا میرے ساتھ ایسے؟ محبت نہیں تھی تو کیوں اتنے سال مجھ سے کہتے رہے؟"

وہ رو رہی تھی۔ آئرہ کے دل میں خنجر گڑ گیا تھا۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ فوراً باہر نکل جائے یا وہیں کھڑی اس کے جانے کا انتظار کرے۔ دونوں کام ہی مشکل تھے۔ وہ کیسے اس پہ ظاہر کرتی کہ وہ اس کا دھوکا جان چکی ہے اور کیسے کھڑی رہ کر مزید سنتی رہے؟ اسے باہر جانا چاہیے تھا لیکن اس کے قدم وہیں زمین نے تھام لیے تھے۔

"جو بھی کیا تم نے خود کیا ہے اپنے ساتھ، اس لیے مجھے الزام مت دو۔ میں مانتا ہوں، میں نے غلط کیا لیکن سچ بتاؤ کیا تمہیں لگتا ہے، ساری غلطی میری ہے؟"

آئرہ کی سنی گئی تھی۔ بارش اتنی قوت سے زمین

Watermarkly

سے ٹکرانے لگی تھی کہ بوندوں کے شور میں ان کی آوازیں دب کر رہ گئی تھیں۔

دو ٹوک مجھ سے بات کر
یا چھوڑ دے یا ساتھ چل (عین حیدر)

اس نے دو ٹوک فیصلہ کر لیا تھا کہ ابھی فیصلہ اس کے ہاتھ تھا۔ اسے یہاں نہیں رہنا تھا۔ اپنا مختصر سامان اٹھا کر انکل کو خدا حافظ کہہ کر وہ اپنے گھر آ گئی تھی۔ اسے اگر اس گھر کے موسم ازبر تھے تو بھولی تو وہ اپنے گھر کا بھی کچھ نہیں تھی۔ معافیہ جاتے جاتے جو کچھ لے جا سکتی تھی لے گئی تھی۔ ضرورت کی چیزیں بھی دستیاب نہیں تھیں۔

اگلے کتنے ہی دن لگ گئے تھے اسے ضرورت کی چھوٹی چھوٹی چیزیں اکٹھی کرتے۔ جلد ہی زندگی جیسے ڈگر پر آ گئی تھی۔ صبح آفس جاتی اور واپس آنے کے بعد گھر کی صفائی اور پکانے میں مصروف ہو جاتی۔

گھر کا ایک پورشن پہلے سے کرائے پر تھا۔ مختصر سا خاندان تھا۔ میاں بیوی اسی کے ہم عمر ہوں گے۔ دو چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ اس کا دل بھی لگا رہتا اور اکیلے پن کا احساس بھی نہ ہوتا۔ اسے ہمیشہ بچوں کی خواہش رہی تھی لیکن ایک تو نوکری اور دوسرا ابتسام کہتا تھا۔

"میں ابھی اس جھنجھٹ میں پڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔"

سارا دن بے انتہا مصروف گزارنے کے بعد رات کو بستر پہ لیٹتے ہی جیسے زہریلے بچھوؤں جیسی یادیں ذہن کے کونے کھدروں سے نکل نکل کر ڈسنے لگتی تھیں اور دل جیسے خالی ہو گیا تھا۔ نہ کوئی دکھ تھا نہ خوشی تھی.. بس ایک خاموشی سی تھی جس نے اس پر اپنا تسلط جما لیا تھا۔ دل کو ہول اٹھتے تھے لیکن وہ مضبوطی سے اپنے فیصلے پر جمی ہوئی تھی۔

بہت بار دل چاہا کہ جا کر انکل کو دیکھ آئے لیکن وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس سے سامنا ہو۔ جس نے اس طریقے سے دل اجاڑا تھا کہ اب کہیں بھی جاتا تو دل بسنے والا نہیں تھا۔ اس کی راتیں بھیگ گئی تھیں۔

ابتسام کے ساتھ گزرے سالوں میں اس نے ایک لمحے کے لیے بھی ان سب کمیوں کو نہیں سوچا تھا جو اس کی زندگی میں ہمیشہ رہی تھیں۔ وہ تو بس اس کی شکر گزار رہی تھی کہ اس کی وجہ سے وہ اس جہنم سے نکل گئی تھی، جو معافیہ نے اس کے لیے بنا رکھا تھا اور عنقریب آئرہ، اس دلدل میں اترنے والی تھی جہاں سے اسے تازہ ہوا کا جھونکا بھی خواب لگتا تھا۔

وجاہت حسن وہ شخص تھا جس نے اسے احساس دلایا تھا کہ زندگی میں محبت بھی ہوتی ہے۔ ہر شخص ابتسام جیسا نہیں ہوتا۔ وہ اسے جتنی اہمیت دیتا تھا، جیسے اس کی پروا کرتا تھا اور سب سے بڑھ کر اس کا لودینا لہجہ جیسے آئرہ کا وجود پگھلاتا تھا۔ محبت تو ایسی ہی ہوتی ہے ناں۔

اسے خود علم نہیں ہوا اور وہ اس کی محبت میں مبتلا ہوتی چلی گئی۔ ٹھیک ہے اس نے دل دکھایا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ دل سے نکل گیا تھا۔ وہ وہیں موجود تھا اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ پورے استحقاق کے ساتھ۔ دل کی مسند پر روزِ اول کی طرح وہ وہیں تھا۔

☆☆☆

کسی خوش رنگ منظر سے سارے رنگ کھینچ لیے جائیں تو کیا دلکشی رہ جاتی ہے؟

اس کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا انیہ کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ لیکن وہ جانتا تھا، کچھ تو ضرور ہوا ہے جو وہ ایسے بدل گئی ہے۔ لیکن اب اسے اس میں کوئی دلچسپی ہی نہیں رہی تھی۔ اس نے واضح الفاظ میں اسے بتا دیا تھا کہ وہ اپنا راستہ الگ کر چکا ہے۔ وہ حیران تھا۔ اس کو یقین نہیں آتا تھا۔ وہ لڑکی جس نے اسے اتنے سال نہ ڈھنگ سے وقت دیا اور نہ توجہ، وہ کیسے اس کی محبت کی دعوے دار ہو رہی تھی۔

اسے شک ہوتا تھا کہ یہ وہی لڑکی تھی۔ کتنی ہی بار وہ اس سے ملنے آ چکی تھی۔ عزتِ نفس کی پروا کیے بغیر وہ اس کے سامنے روئی بھی تھی، گڑگڑائی بھی تھی جب وہ اس کی جانب نہیں آیا تو جذباتی بلیک میلنگ بھی کرتی رہی تھی لیکن اب جو دل نہیں تھا تو کچھ نہیں تھا۔ وہ آئرہ کو گھر متعارف کروا چکا تھا اور آئرہ سے بات کر چکا تھا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

انیہ نے اس کا دماغ اتنا زیادہ خراب کیا تھا کہ وہ کام پر ٹھیک سے توجہ بھی نہیں کر پاتا تھا اور جب وہ ذہنی طور پر حاضر ہوا تو آئرہ زندگی سے غائب ہو چکی تھی۔ وہ جس دن بابا جان سے ملنے گیا، گھر کے در و دیوار سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ اس ویرانی نے پہلے ہی اس کے نہ ہونے کی گواہی دی تھی لیکن ضروری تو نہیں ہر بار دل صحیح سمت میں ہی اشارہ کرے۔

"آئرہ چلی گئی۔" بابا جان نے بتایا اور اس کا دل دھڑکنے کا ہنر بھول گیا تھا۔

"کہاں؟"

"معلوم نہیں لیکن وہ چلی گئی۔"

تو وہ جیسے آئی تھی بغیر کسی پیشگی اطلاع، دل پر حواس پر بلا اجازت قابض ہوئی تھی، بالکل اسی طرح چلی گئی۔ موسم بہار نے بھی تو آنے سے پہلے کبھی دستک نہیں دی تھی پھر بے وقت خزاں سے کیا گلہ۔ بس اتنا ہوا کہ جیسے زندگی کا مقصد کھو گیا تھا۔ ہر شے سے دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ نہ کوئی رابطہ نمبر نہ کوئی پتا وہ کیسے ڈھونڈ سکتا تھا اسے؟ زندگی کے سارے ذائقے ختم ہو گئے تھے۔ گھر میں اس کی بات ہوئی تھی۔ ماما کہتی تھی۔

"ماما! پہلے ہی اتنی دیر کر دی ہم نے۔ آئرہ اتنی اچھی لگی ہے مجھے۔ بس اب بھائی کی شادی کر دیں۔"

ماما کہتی تھیں۔ "کبھی لے کر آؤ اسے دوبارہ اور دیر کرنے کی وجہ کوئی نہیں تو شادی کیوں نہیں کر رہے؟"

وہ انہیں کیا جواب دیتا کہ دنیا کی بھیڑ بھاڑ میں اس نے اس لڑکی کو کھو دیا ہے، جو معلوم نہیں کب آنکھوں سے دل میں اتر گئی تھی۔

وہ تھی ہی ایسی کہ اسے پسند کیا جائے، اسے چاہا جائے، سراہا جائے۔ ماما پوچھتی تھیں۔ وہ اسے پہلے کیوں نہیں لے کر آیا، اسے تو ناپسند کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ پورے دن میں کسی نہ کسی بار اس کا ذکر نکل ہی آتا تھا۔ بس وہ نہیں آتی تھی۔ دل میں ایک خوف سا تھا کہ کہیں وہ اپنے شوہر کے پاس واپس نہ چلی گئی ہو لیکن وہ تو اسے طلاق دے چکا تھا۔ ایک بے مہر سی شام میں ماما شاپنگ کے لیے نکلی ہوئی تھیں۔ ان کی گاڑی خراب ہو گئی ہوئی تھی اور انہوں نے فون کر کے اسے بلایا تھا۔ ایک موڑ کاٹتے ہوئے اسے لگا کہ وہ ہے۔ پاگلوں کی طرح گاڑی وہیں سڑک پر چھوڑ کر وہ باہر نکل آیا تھا اور اسی سمت بھاگا جہاں اسے اس کے ہونے کا گمان ہوا تھا۔ ٹریفک پولیس نے جو اس کے ساتھ سلوک کیا اور ماما جو اس کے لیے انتظار کر رہی تھیں۔ اسے اپنے حواس پر شک ہوا تھا کہ وہ سمجھ بھی رکھتا ہے یا نہیں۔

☆☆☆

پھر ایک دن وہ خود واپس آ گئی۔ ٹھیک ہے اس کے لیے نہیں بلکہ ماموں جان کے لیے۔ ماموں کی طبیعت خراب تھی اور کسی محلے والے نے فون کر کے ایمبولینس منگوائی تھی۔ جب تک وہ پہنچا، وہ اسپتال پہنچ چکے تھے۔ وہیں اس نے اسے دیکھا تھا۔ آنسوؤں سے بھیگے ہونٹوں پر کوئی ورد تھا شاید۔

"انکل ٹھیک ہو جائیں گے ناں؟" وہ اس سے پوچھ رہی تھی اور اس کے دل میں سکون اتر رہا تھا۔ وہ ایسے وہاں موجود تھی جیسے کبھی وہاں سے گئی ہی نہیں تھی۔

عمر کے جلتے صحرا میں کسی نخلستان کی طرح وہ اس کے سامنے موجود تھی اور تب وجاہت حسن کو معلوم ہوا کہ اس کے ملنے اور کھونے کے پیچھے زندگی کا کون سا سبق تھا۔ وہ جان ہی نہ پایا کہ محبت میں مبتلا ہونا اصل میں ہوتا کیا ہے۔ اسے لگا کہ اس نے انیہ کو اس لیے انکار کیا کہ وہ آئرہ کو گھر بلوا چکا ہے اور اس کے ہاتھ میں امید کی کرن تھما چکا ہے

Watermarkly

۔غلط..... بالکل غلط۔اس نے اس لیے انیہ کو انکار کیا کہ اس کا دل آئرہ سے جڑ گیا تھا۔اس پہ رعب جھاڑتی وہ لڑکی دل کی سرزمین پر پہلی بارش جیسی تھی۔اب وہ لوٹ آئی تھی تو وہ جانتا تھا اب وہ اسے کہیں جانے نہیں دے گا۔

☆☆☆

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لیے منتیں مانگی جاسکتی ہیں۔ان کے لیے رات کے آخری پہر اٹھ کر مناجات کی جاسکتی ہیں اور آئرہ ان ہی لوگوں میں سے تھی۔اس نے شادی کے لیے ہاں اس شرط پہ کی تھی کہ وہ انکل کے گھر سے کہیں نہیں جائے گی۔وہ کہہ سکتا تھا اس کا گھرانہ روایت پسند تھا اور آئرہ اس گھر کی انگوٹھی میں نگینے کی طرح فٹ بیٹھی تھی۔وجاہت کو حیرت نہیں ہوئی جب اس نے ماما کو اس کی طلاق کا بتایا تھا اور انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

"بیٹا، کوئی فرق نہیں پڑتا طلاق سے۔ہم انسان ہیں..ماں باپ سے بھی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔اب کوئی ماں باپ اپنی اولاد کا برا تو نہیں سوچیں گے۔ہو گیا جو ہو گیا۔اب بس آگے کی سوچو۔"

اور اب ماما نے اس کی اس خواہش پر بہت خوشی کا اظہار کیا تھا۔

"شکر ہے، آج کل بھی کسی کو بڑوں کا خیال ہے ورنہ تو نفسا نفسی کا دور ہے، اپنی سگی اولاد نہیں پوچھتی۔"

بھائی کی تنہائی کے احساس سے انہوں نے کتنی بار انہیں اپنے گھر لانے کی کوشش کی تھی لیکن اقبال صاحب کہاں کسی کے قابو آتے۔پاپا کو پتا چلا تو وہ بھی ہنسے تھے۔

"جدید دور ہوتا جا رہا ہے۔شعور پھیلنا ہی چاہیے۔پہلے لڑکیاں بیاہ کر آتی تھیں، کوئی بات نہیں اگر لڑکے بھی بیاہ کر کہیں چلے جائیں۔"

وہ اب ماموں کے ساتھ ان ہی کے گھر میں رہ رہا تھا۔ہر تھوڑے دن بعد وہ آئرہ کو لے کر گھر چلا جاتا یا ادھر سے کوئی آجاتا۔ماما بڑی خوشی خوشی ان کے پاس رہنے آئی تھی۔خود وجاہت اسے دیکھتا تو شکر ادا کرتا تھا۔زندگی تو یوں بھی کہیں نہ کہیں گزر ہی جاتی لیکن اس کے گرد زندگی کا احساس بڑا گہرا ہوتا تھا۔وہ عادت سے مجبور تیز لہجے میں بولتی تو اسے اس پہ بھی پیار آتا تھا۔وہ بے وجہ رونے لگتی تو وجاہت تب بھی طعنہ دیے بغیر اسے سمیٹ لیتا تھا۔

اقبال صاحب کے لیے جانے وہ کہاں سے طالب علم اکٹھے کر کے لائی تھی۔"انسان مصروف رہتا ہے تو وہ بیمار نہیں ہوتا۔" اس کی اپنی منطق تھی اور وجاہت کو اس کی بے تکی باتیں بھی پسند تھیں یہ تو پھر کہیں نہ کہیں درست معلوم ہوتی تھی۔

رمضان شروع ہونے والا تھا اور پہلی بار ماموں نے کسی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

"میں کہہ رہا تھا جیسے ہم پہلے ہر رمضان کی پہلی افطاری اپنے گھر کرواتے تھے اب بھی ایسے ہی کروائیں۔"

اور ان کے منہ سے نکلی خواہش تو حکم کا درجہ رکھتی تھی آئرہ کے لیے۔وجاہت کے کتنے چکر لگوائے تھے اس نے بازار کے۔ہر بار وہ کچھ نہ کچھ اہم بھول جاتی اور کبھی رعب کے ساتھ، کبھی معذرت خواہانہ لہجے میں اس کے سر پہ آ کھڑی ہوتی۔

"میں دعا کرتا ہوں ایک بار پھر تم کچھ بھول جاؤ۔"

وہ جھینپ جاتی اور چپکے چپکے اس شخص کی بلائیں لیتی جسے اپنی بے وقوفی سے اس نے گنوانے میں کسر نہیں چھوڑی تھی۔

اسپتال سے واپسی پر جب وہ انکل کے ساتھ ہی آ گئی تھی تو وجاہت نے اس سے یہ نہیں پوچھا تھا وہ کہاں گئی تھی۔اس نے پوچھا "تم کیوں چلی گئی تھیں؟ جانتی ہو، میرا کیا حال ہوا تھا؟"

اور اس کیوں کا جواب وہ دینا نہیں چاہتی تھی اور دینا چاہتی بھی تھی کہ وہ شخص اپنی صفائی میں کچھ

کہے اور دل کو سکون ملے کہ اب کی بار اس نے انسان کو پہچاننے میں غلطی نہیں کی تھی۔ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اب اس کا دل اجڑا تھا۔تو اس نے بتا دیا۔

"تو اتنی سی بات تم روپوش ہونے سے پہلے بھی بتا سکتی تھیں۔"

"تو تم مجھے سچ بتا دیتے؟"

"جنہیں یقین ہے، اب جو بتاؤں گا، وہ سچ ہو گا۔"

"اس کا سرا ثبات میں ہلا تھا۔

"میں اس وقت بھی تمہیں سچ بتا سکتا تھا۔"

"میں اس نے بتایا تھا اگر وہ جھوٹ بھی ہوتا اور جو سچ اس نے بتایا تھا اگر وہ جھوٹ بھی ہوتا تو آئرہ سچ مان لیتی۔لیکن یہ جو دل ہوتا ہے ناں.. یہ سب کرواتا ہے اور اس نے بھی وجاہت حسن کا یقین کر لیا تھا۔

"میں لڑکیوں کی کامیابی سے ڈرتا نہیں ہوں بیوی اس کے خلاف ہوں لیکن پتا ہے کیا.. میں پرانی زمانت کا آدمی ہوں۔مجھے اچھا لگتا ہے اگر تم میری مدد چاہتی ہوں۔اپنے کاموں کے لیے میرا منہ دیکھتی ہو۔مجھے مرد مار قسم کی "میں سب کر سکتی ہوں" قسم کی لڑکیاں نہیں پسند۔

انیہ کے سامنے مجھے اپنا آپ بہت بونا لگتا تھا۔وہ مجھے اہمیت ہی نہیں دیتی تھی۔اسے لگتا تھا جیسے مجھے دنیا کی سمجھ نہیں ہے اور وہ اپنے معاملات اور دنیا کو مجھ سے بہتر سمجھتی ہے اور مجھے یہ لگتا تھا ایک دن اسے خود احساس ہو جائے گا کہ اس کی یہ دوڑ لاحاصل ہے۔

وہ میرے گھر والوں سے نہیں ملنا چاہتی تھی۔کہتی تھی جب وقت آئے گا تب دیکھ لیں گے۔میں اگر چھوٹی ذہنیت کا ہوتا تو اسے جانے ہی نہ دیتا۔

میں اس سے شادی کر بھی لیتا تو میں جانتا ہوں، اس کی حاکم طبیعت کے ساتھ میرا گزارا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ میں نے تمہاری حاکمیت دیکھ لی تھی ناں۔تم تو دل پہ حکومت کرتی ہو۔"

اس کے دل نشین لہجے میں کہی گئی ہر بات پر یقین کے علاوہ کچھ کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔آنے والے وقت نے ثابت کرنا تھا کہ اس نے یہ یقین کر کے غلط نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

"میں ٹھیک لگ رہی ہوں؟" اس نے کوئی تیسری بار پوچھا تھا اور تیسری بار بھی ایک "ہوں" جواب میں ملا تھا۔

ماما اور پاپا نے افطار پارٹی رکھی تھی اور وہ وہیں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔انکل کے لیے اس نے کھانا بنا دیا تھا کہ انہوں نے جانے سے منع کر دیا تھا۔شادی کے بعد اس گھر میں یہ پہلی گیدرنگ تھی جس میں اس نے سب سے ملنا تھا سو وہ اوور کانشس ہو رہی تھی اور وجاہت اتنا ہی ہر شے کو ہلکے پھلکے انداز میں لے رہا تھا۔غصے میں آئینے کے سامنے سے ہٹ کر وہ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"ایک بار بھی نہیں دیکھا اور ہوں ہوں کیے جا رہے ہو۔"

"تو میں تو بغیر دیکھے بھی کہہ رہا ہوں، تم اتنی پیاری ہو، کینسل کرتے ہیں جانا.. پھر جو میں تمہیں اتنا سجا سنورا دیکھ لوں گا تو پھر تمہیں ہی مشکل ہو گی۔"

آئرہ کا چہرہ سرخ ہوا تھا اس کی بات پر۔

"بندے کو روزے کا لحاظ ہونا چاہیے۔"

"روزہ نہ ہو گیا پانی کا بلبلہ ہو گیا جو اپنی بیوی سے اظہارِ محبت کرنے پر پھوٹ جائے گا۔"

ماما کی کال آنے لگی تو وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔"چلو میں گاڑی نکالتا ہوں، تم آجاؤ۔"

انکل نے نکلتے ہوئے نصیحت کی تھی۔"خالی ہاتھ مت چلے جانا، جاتے ہوئے کچھ لے جانا۔"

ان کی اس نصیحت پر عمل پیرا ہوتے وہ گھر جانے سے پہلے اسے شاپنگ مال لے آیا تھا۔برینڈڈ کپڑوں کے آؤٹ لیٹس ایک کے بعد ایک کھنگالتے آخر کار اسے اپنی پسند کا سوٹ مل ہی گیا۔کاؤنٹر پہ کھڑی لڑکی کو ڈریس پیک کرنے کا کہہ کر وہ پے منٹ کے لیے وجاہت کو بلانے باہر آئی تو

Watermarkly

وہ اسے دیکھ کر فوراً ہی آ گیا۔

"ہاں لے لیا؟ تمہیں؟"

"بے منٹ کے بغیر کیا ملے گا؟"

آئرہ کی بری عادت یہ تھی کہ ہینڈ بیگ یا پاؤچ جو بھی پکڑتی، چلتے چلتے غیر محسوس طریقے سے وجاہت کے ہاتھ میں منتقل کر دیتی تھی۔ اس دن ایک دوست نے دیکھ لیا تو اتنا مذاق بنایا تھا۔ اب اس کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ بیگ وغیرہ لے کر ہی نہ نکلے۔ ویسے بھی کہیں کچھ لینے کے بعد وہ اتنی معصومیت سے اسے پکارتی تھی تو پھر اسے بیگز یا پیسوں کی ضرورت بھی کیا تھی۔

"آئی ایم سوری۔" وہ اس کے ساتھ ہی اندر آیا تھا۔ آئرہ کی بتائی اماؤنٹ والٹ سے نکال کر اس نے کاؤنٹر پہ رکھی۔

"میں اپنے لیے بھی لے لوں ایک؟" ادھر ادھر دیکھتے آئرہ کو کچھ اور پسند آ گیا تھا۔

"لے لیں میم .. میری اتنی جرات کہ منع کر سکوں۔" وہ ہنسا اور تب آئرہ نے محسوس کیا کاؤنٹر پہ کھڑی لڑکی کے وجود سے جیسے خون کی آخری بوند بھی نچوڑ لی گئی ہے۔ اس کا رنگ پیلا زرد ہو رہا تھا۔ ادھر ادھر کسی سیلز مین یا سیلز گرل کو دیکھتے وہ اس کے قریب آئی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" آئرہ کی بات پر وجاہت نے بھی اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

وسیم عباسی نام نہیں، ایک شخص نہیں ایک پورا سسٹم تھا جس سے اس نے ٹکرانے کی جسارت کی تھی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی قابلیت کے مطابق کوئی اچھی کمپنی اسے رکھنے کو تیار نہیں تھی۔ حلیف تو حلیف حریفوں نے بھی جھنڈی دکھا دی تھی۔ یہ ٹھیک تھا وہ حسد کی وجہ سے کسی ناقابل تلافی نقصان سے بچی رہی تھی لیکن اس کا جو نقصان ہوا تھا اس کی بھرپائی نہیں ہو سکتی تھی۔ آسمانوں کی جانب محوِ پرواز وہ لڑکی منہ کے بل نیچے گری تھی۔ وہ کوشش کر رہی تھی کہ کسی بھی یا سرکاری کالج میں اس کی جاب ہو جائے لیکن تب تک ضروریات کو روکا نہیں جا سکتا تھا سو وہ یہاں تھی۔

سامنے وہ شخص کھڑا تھا، جو کبھی اتنا میسر کر دیتا کہ اگر وہ اس وقت سمیٹ لیتی تو عمر بھر کے لیے کافی ہو جاتا اور اب اس کی نگاہ، اس لڑکی سے نہیں ہٹ رہی تھی جس کی عادت میں بچنے کی شوخی واضح جھلک رہی تھی۔ اس کی جگہ انیہ ہو سکتی تھی۔ یہ علم تھا کہ وجاہت کی جس وارفتگی کو وہ ناپسند کرتی رہی تھی اب اس کے سامنے کسی اور کے لیے تھی اور وہ پاتال میں گرتی جا رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں میم! شکریہ۔" وہ بدقت بول سکی تھی اور وجاہت وہاں سے شاپنگ بیگ اٹھا کر باہر نکل گیا تھا۔ کاؤنٹر پہ کھڑی لڑکی کی آنکھ سے آنسو اور ایک سسکی میں وجاہت کا نام نکلا تھا۔

گہری نظر سے اسے دیکھتی کچھ اور دیکھنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے آئرہ بھی وجاہت کے پیچھے ہی نکل آئی تھی۔ اس دن نہ اس نے کچھ کہا اور نہ وجاہت نے بتایا۔

چاند رات کو اسے ماہا کے ساتھ بازار نکلنا تھا۔ ماہا آتے ہوئے ان کے لیے کتنے تحفے لے کر آئی تھی۔ آئرہ جانتی تھی یہ محض تحفے نہیں ہیں۔ یہ محبت ہے۔ وہ محبت جو وہ ان سب سے کرتی تھی اور خوش قسمتی سے ان لوگوں کو محبتیں لوٹانا آتی تھیں۔

ہاتھوں پہ مہندی لگوانے کے بعد جو وہ نکلے تو وجاہت نے بڑے طریقے سے اس کا دوپٹہ سنبھال سمیٹ کر اسے گاڑی تک پہنچایا اور پھر وہیں انہیں آئس کریم بھی اپنے ہاتھوں سے کھلائی تھی۔ آئرہ بے انتہا خوش تھی اور اس خوشی میں اسے روتی ہوئی وہ لڑکی جانے کہاں سے یاد آ گئی تھی۔

"کیا ہوا؟"

"اس دن وہ جو لڑکی.." بات درمیان میں چھوڑ کر آئرہ چپ ہو گئی تھی۔

وجاہت نے ادھوری بات سے جان لیا تھا کہ وہ کس لڑکی کی بات کر رہی ہے۔

"وہی تھی۔"

اس نے دھیمے سے کہا تھا، اکیلے پن کا خوف تو وہ بھی جانتی تھی سو شکر ادا کرنا بنتا تھا کہ مالک نے اسے اس آزمائش میں مبتلا نہیں کیا تھا اور ساتھ ہی اسے اس پہ ترس بھی آیا تھا۔ آئرہ جیسے دل ہی دل میں اسے اپنے پہ ترس کھاتی۔

آئرہ سوچ رہی تھی کہ بعض اوقات، مضبوط نظر آنے اور بنے رہنے میں انسان کیسے سب کچھ کھو دیتا ہے۔ عورت کو تو مرد کے نام اور سہارے کی ضرورت ہوتی ہی ہے، بالکل اسی طرح جیسے مرد کو عورت کی ضرورت ہوتی ہے۔ انکل کی اتنی عمر ہو گئی تھی لیکن ان کے گھر میں عورت کا وجود اتنا ہی ضروری تھا جتنا کہ خود اس کی زندگی میں مرد کا وجود۔ اس نے شکر ادا کیا تھا کہ ایک بار غلط قدم اٹھانے کے باوجود اللہ کی ذات نے اسے دوسری بار صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور یہ صرف وجاہت کی وجہ سے نہیں تھا۔ اسے ایک مثالی گھرانہ نصیب ہوا تھا۔ وہ جتنی محبت ان سے کرتی تھی، وہی محبتیں ضرب دے کر اسے ملتی جاتی تھیں۔

"چلیں اب گھر۔" ماہا کی آواز پر وہ خیالوں سے چونکی تھی۔ کل عید کی تیاری ماما نے اس پر چھوڑ دی ہوئی تھی۔ اسے اب ان کی طرف جانا تھا کیونکہ صبح صبح اتنی جلدی میں نکلنا ممکن نہیں ہوتا تھا تو رات وہ وہیں رک رہی تھی۔

"تم ماما کو منع بھی تو کر سکتی تھیں۔" وجاہت کا موڈ اس سوچ کے ساتھ خراب ہوا تھا کہ رات اسے اکیلے ہی پاپا جان کے پاس رکنے کے لیے آنا پڑے گا۔

"اگر پاپا جان کو منا لیں تو صبح کے بجائے ابھی انہیں لے کر آ جائیں گھر۔ ایک کمرہ ان کے لیے ہو گا ہی۔"

گاڑی سے نکلتے اس نے پاپا کی نظر بچا کر سرگوشی کی تھی۔ یہ تو ایک چاند رات تھی۔ آنے والے سالوں میں کتنی ہی چاند راتیں محبتیں اور خوشیاں اپنے دامن میں سمیٹے ان کی منتظر تھیں اور وہ بے صبر نہیں تھا۔

☆☆

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اگاتا ہے
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید
- ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے

قیمت -/200 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہٰذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے ایک بوتل کی قیمت صرف -/200 روپے ہے دوسرے شہر والے منی آرڈر کر کے رجسٹرڈ پارسل سے منگوائیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ..... -/550 روپے
3 بوتلوں کے لئے ..... -/750 روپے
6 بوتلوں کے لئے ..... -/1400 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، بیکٹو ٹور ایم اے جناح روڈ، کراچی

دمشق خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، بیکٹو ٹور ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی

فون نمبر: 32735021

Watermarkly

PARHLO PAKISTAN

اب آپ ہر قسم کے ناول ہماری ویب سائٹ سے مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہماری ویب سائٹ ناولز راہٹرز کے لئے آفر بھی دیتی ہے۔ اگر آپ لکھنے کے شائق ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ آپ کے ناولز کے کے علاوہ ناول کے بہترین ہونے پر آپ کو کیش پرائز بھی دیں گے

ابھی اپنا ناول EMAIL کریں اور اپنے لکھاری ہونے کا فائدہ اٹھائیں۔

WHATSAPP GROUP : 0318-9992829

PARHLO.COM.PK@GMAIL.COM